بسم اللہ الرحمن الرحیم

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کا دینی، اصلاحی، ادبی ترجمان

ماہنامہ ندائے قاسم

بیادگار: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، بانی دارالعلوم دیوبند

بانی: حضرت مولانا محمد قاسم صاحب، سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ و بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مجلس مشاورت

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب ۔ مولانا محمد مرغوب الرحمٰن صاحب

جناب سمیع احمد صاحب ۔ جناب حاجی بلال الدین صاحب

نگراں: حضرت مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

مدیر مسئول: مولانا محمد سالم ۔ مدیر تحریر: خالد انور پورنوی، المظاہری

جلد: 3 | جون 2017ء | رمضان المبارک ۱۴۳۸ھ | شمارہ: 32

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب: 09431011919

مولانا محمد ناظم صاحب: 09431015726

مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب: 09470083120

مولانا محمد سالم صاحب: 09934291786

ماہنامہ ندائے قاسم

Monthly **NIDA-E-QASIM**

Nafees colony, Baripath,

Mahendru, Patna-6

فی شمارہ: 20/روپیہ - سالانہ زرتعاون: 200/روپیہ

OWNER, EDITOR, PRINTER & PUBLISHER : MOHAMMAD QUASIM, PRINTED AT INDIAN ARTS OFFSET, BASEMENT OF SBI, MAHENDRU, ASHOK RAJPATH, PATNA:-6, & PUBLISHED FROM OFFICE OF THE "NIDA-E-QASIM", NAFEES COLONY, BARIPATH, MAHENDRU, DIST- PATNA-6, RNI No BIHURD/2014/59332, MOB.: 9431011919

فہرست مضامین

اداریہ	مجھے ہے حکم اذاں؛ **لاالٰہ الااللّٰہ**	خالدانور پورنوی المظاہری	03
درس قرآن	روزہ	حضرت مولانا محمد قاسم صاحب	07
درسِ حدیث	فضائل روزہ اور رمضان	جناب مولانا محمد ناظم صاحب	10
مقالات ومضامین	رمضان آخرت کی کمائی کا مہینہ ہے	حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی	15
	اسلام میں ائمہ ومؤذنین کا مقام ومرتبہ	حضرت مولانا اسرار الحق قاسمی	17
	احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب	21
	زکوٰۃ کے مصارف اور موجودہ حالات	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	28
	صدقہ فطر کی فضیلت!	جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب	33
	قرآن کی حفاظت کیلئے اللہ کا حیرت انگیز انتظام	جناب مولانا حذیفہ صاحب	35
	روزہ: روحانی وجسمانی فوائد کا حامل	جناب ڈاکٹر محمد ناصر صاحب	44
	مدارس میں زکوٰۃ کی فراہمی اور طریقہ استعمال	جناب مفتی اشتیاق احمد قاسمی	52
	کھجور افطار کیلئے بہترین نعمت ہے!	شوکت رحمان	59
اطفال	امّی! میں بھی روزہ رکھوں گا	انظار احمد صادق	62
شب وروز	امتحان سالانہ اختتام پذیر، تعطیل کا اعلان	ادارہ	63

E-Mail:-.nedaequasim@gmail.com

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا اتفاق ضروری نہیں!

کمپیوٹر کتابت: مہجود عالم، بھاگلپوری: 09934837448

اداریہ

مجھے ہے حکمِ اذاں: لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ

خالدانورپورنوی المظاہری

اذان کیا ہے؟ اللہ کی عظمت، بڑائی، اور کبریائی کا اعلان؛ اسی لئے اذان سے سب سے زیادہ تکلیف شیطان کو ہوتی ہے، وہ اللہ کی عظمت اور بڑائی کو سننا نہیں چاہتا ہے، حدیث میں ہے: جب اذان دی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر ریح خارج کرتا ہوا بھاگنے لگتا ہے، تاکہ اذان کی آواز اس کے کان میں نہ پہونچے، جب اذان ختم ہوتی ہے تو وہ واپس آتا ہے، لیکن جب اقامت کہی جاتی ہے، پھر وہ بھاگ کھڑا ہوتا ہے، اقامت کے بعد پھر وہ واپس آجاتا ہے اور نمازیوں میں وسوسہ ڈالنا شروع کردیتا ہے۔ اذان کوئی خاص عبادت نہیں ہے اور نہ ہی اس کے ذریعہ اللہ کو پکارا جاتا ہے جیسا کہ ہمارے غیرمسلم بھائی سمجھتے ہیں، بلکہ اذان کا مقصد لوگوں کو اوقات نماز کی اطلاع دینی ہوتی ہے اور اس کے ذریعہ مسجد میں باجماعت نماز ادا کرنے کیلئے بلانا ہوتا ہے، ہاں کچھ پڑھے لکھے جاہلوں کی جماعت ہے جو اذان کا مقصد کچھ اور سمجھتی ہے، اس میں دوسرے برادران وطن تو شامل ہیں ہی، ماڈرن خیال کے کچھ مسلمان بھی شامل ہیں، انہوں نے مندروں میں گھنٹی بجاتے ہوئے دیکھا ہے، اس لئے وہ اذان کے بارے میں بھی وہی رائے قائم کرنے لگتے ہیں کہ اذان کا مقصد اللہ کو جگانا ہے تو لاؤڈاسپیکر کی کیا ضرورت ہے؟ جبکہ یہ سراسر جھوٹ ہے اور اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کی دلیل ہے، ہندوستان جیسے خوبصورت ملک میں جہاں ہندو مسلم، سکھ، عیسائی سبھی ایک ساتھ رہتے ہوں، مگر اس کے باوجود اپنوں اور بالخصوص دوسرے بھائیوں کو اذان کے مقاصد کا واضح علم نہیں ہے اس میں ہم مسلمانوں کی کمزوری بھی شامل ہے۔

بات اذان پر کہاں سے شروع ہوئی؟ ممبئی کے فلک بوس عمارت میں 12/ویں منزل پر رہنے والا 43/ سال کا ایک نوجوان، معروف گلوکار، گانا گانا جن کا پیشہ، اور لاؤڈاسپیکر جن کی ضرورت، صبح کے ساڑھے پانچ بجے وہ ٹوئیٹس کرتا ہے: ''خدا آپ سب کا بھلا کرے، میں مسلمان نہیں ہوں اور مجھے اذان کی آواز سنکر صبح اٹھنا پڑتا ہے، انڈیا میں مذہبی زبردستی کب ختم ہوگی؟ یکے بعد دیگرے اس نے کئی ٹوئیٹس کئے، اور اخیر میں تو یہاں تک کہدیا کہ کب ختم ہوگی یہ غنڈہ گردی''؟

اس ٹوئیٹس کے بعد عمل اور ردعمل کا سلسلہ جاری ہوگیا اور یہ ہونا بھی تھا اس کے بعد اس نے معافی بھی

مانگی کہ میرا مقصد کسی کے جذبات کوٹھیس پہونچانا نہیں تھا،لیکن سوال تو اپنی جگہ برقرار ہے کہ پھراس طرح کے ٹوئیٹس کی ضرورت ہی کیا تھی؟ کیا اسلام کے خلاف زہر اگل کر کسی بڑے منصب تک پہنچنا مقصد تھا،جیسا کہ عام طور پر دیکھا جاتا رہاہے کہ اگر کسی نیتا کو بی جے پی میں اچھی عزت چاہئے یا اچھا مقام ومرتبہ ملنے کی ہوس ہو تو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہرافشانی شروع کرتا ہے، پھر کسی کو صدارت ملتی ہے، کسی کو وزارت علیا اور کسی کو منتری پد،اس لئے سونو نگم کی معافی کے بعد بھی یقیناً ہم کسی خیر کی توقع نہیں کر سکتے ہیں۔

ویسے بھی لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان کی پابندی کا مطالبہ تو اس سے پہلے بھی اغیار کی جانب سے کیا جاتا رہا ہے، ممبئی کورٹ میں باضابطہ مقدمہ بھی درج کیا جا چکا ہے، جس میں فجر کی اذان سمیت دیگر پروگراموں کیلئے دس بجے رات کے بعد سے لاؤڈ اسپیکر کے استعمال پر پابندی کا مطالبہ کیا گیا تھا، یوگی حکومت بننے کے بعد یوپی میں جہاں غنڈہ راج کی خبریں دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں، بریلی ضلع جیا نگلا گاؤں کی دو مسجدوں میں پمفلٹ کے ذریعہ باضابطہ دھمکی دی گئی ہے کہ اب ہماری حکومت بن گئی ہے، لاؤڈ اسپیکر کے ساتھ نماز نہیں پڑھ سکتے ؛ مگر سونو نگم کا حملہ ان سب سے زیادہ خطرناک ہے چونکہ اس نے لاؤڈ اسپیکر کو موضوع نہیں بنایا ہے؛ بلکہ اصل مدعا اذان ہی ہے، یہی وجہ تو ہے کہ اپنے پہلے ٹوئیٹس میں تو صرف اذان کا ہی تذکرہ کیا ہے، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ سونیا گاندھی کے سیاسی مشیر احمد پٹیل ہی نہیں بہت سے مسلمان بھائی اس کی حمایت میں کھڑے نظر آتے ہیں۔

اور یہ ہماری لفاظی نہیں ہے، ابھی دو چار دن پہلے ہی کی تو بات ہے، ایک مسلم بھائی ہمارے پاس آیا، اور سونو کی حمایت میں نہ صرف دلیلیں دینے لگا بلکہ لاؤڈ اسپیکر کے ذریعہ اذان دینے کی برائیاں ایسے بیان کرنے لگا کہ ہم کف افسوس ملنے لگے، کہنے لگا: کیا ان موذنوں کی غلطی نہیں ہے، آدھا آدھا گھنٹہ تک اذان وغیرہ...ہم نے مسکرا کر صرف اتنا کہا: اذان میں تو مشکل سے دو منٹ ہی لگتے ہیں، اور آج تو لوگ ٹی وی کی اسکرین پر نظریں جمائے راتوں رات گذار دیتے ہیں، ہاں جو شیطان ہوگا تکلیف تو ہوگی ہی، ہمارے استاد نے تو ہمیں یہی پڑھایا ہے، ہاں جن کے اساتذہ شیطان ہوا نہیں تو ہر چیز کی آزادی ہے۔

بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق ایک صحافی پتہ لگانے کیلئے سونو نگم کے گھر پہونچتی ہے کہ کیا واقعی اس کے گھر تک اذان کی آواز پہونچ سکتی ہے اور حقیقت میں اذان کی آواز سے کسی کی نیند خراب بھی ہوسکتی ہے، اذان سے آدھا گھنٹہ پہلے ممبئی میں سونو نگم کے گھر جا کر وہ کھڑی ہوگئی، چاروں طرف گھپ اندھیرا، عام طور پر مصروف

رہنے والی ممبئی کی سڑکیں بالکل خالی ویران پڑی ہوئی تھیں، اس خاموشی میں سونونگم کے دومنزلہ مکان کے باہر کئی صحافی پورے ساز وسامان کے ساتھ موجود تھے، جواذان کی آواز کا انتظار کررہے تھے، لیکن رات کی خاموشی نہیں ٹوٹی، اذان کے وقت سے آدھا گھنٹہ مزید انتظار کیا گیا، وہ اپنی رپوٹ میں لکھتی ہے کہ: ٹریفک کے شور کے علاوہ کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دی۔

سونونگم کے گھر سے آدھا کیلومیٹر کے فاصلہ پر مسجد، مدرسہ تعلیم القرآن ہے، جبکہ اس علاقعہ میں تین مساجداور ہیں جوسونونگم کے گھر سے 600 رمیٹر کے فاصلہ پرواقع ہے، جہاں سے آواز پہونچتی ہی نہیں ہے، اب اس کا مطلب صاف ہے کہ ان کا اعتراض صرف اور صرف اذان پر ہے، لاوڈاسپیکرتو اس کیلئے پہلے ہی سے کسی لیلیٰ سے کم نہیں، چونکہ ایک گویّا کی زندگی، اوراس کی آواز لاؤ ڈاسپیکر کے بغیر ادھوری ہے!

۞ ۞ ۞

۱۳رسالہ مکی دَور ظلم وستم سے عبارت ہے، انسانیت سوز مظالم کا وہ دلدوز منظر جسے پڑھ کرانسانی کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے، مسلمانوں کی تعداد بھی مختصر ہے، اس لئے علی الاعلان ایک ساتھ جماعت سے نماز ادا کرنے کی نہ قدرت ہے، اور نہ اللہ کی طرف سے کوئی تائیدی حکم، جب نماز باجماعت کی ضرورت نہیں ہے، تو لوگوں کو جمع کرنے کیلئے اذان واعلان کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ کے رسول سرکاردوعالم ﷺ دس سالہ مظالم سے تنگ آکر ہجرت کرکے مدینہ تشریف لائے، کھلی فضا میسر آئی، مگر لوگوں کو کس طرح بلایا جائے؟ ایک ساتھ نماز ادا کرنے کی اطلاع کس طرح دی جائے؟ مشورے ہونے لگے، کسی نے کہا: آگ جلائی جائے، کسی نے کہا: ناقوس بجایا جائے، کسی نے گھنٹہ بجانے اور کسی نے جھنڈا گاڑنے کی رائے دی، لیکن آپ ﷺ کو یہ طریقہ پسند نہیں تھا چونکہ اس میں دوسروں کی مشابہت تھی، عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ایک شخص کو مقرر کردیا جائے، جو جماعت کے وقت گھر گھر جاکر لوگوں کو اطلاع دے۔ آپ ﷺ نے وقتی طور پر حضرت بلال حبشی کو منتخب کردیا کہ وہ ہر نماز کے وقت ''الصلوٰۃ جامعۃ'' کا اعلان کردیں، مگر پنجوقتہ نمازوں سے قبل ہر گھر تک اطلاع دینا اتنا آسان نہیں تھا، اسی دوران ایک انصاری صحابی عبداللہ بن زید بن عبدربہ نے ایک خواب دیکھا، ایک شخص کے ہاتھ میں ناقوس ہے، عبداللہ بن زید بن عبدربہ کہتے ہیں: میں نے ان سے کہا: یہ ناقوس تم بیچتے ہو؟ اس نے کہا: تم کیا کروگے؟ انہوں نے کہا: اعلان کرکے لوگوں کو نماز کیلئے بلایا کریں گے، اس نے کہا: کیا میں تمہیں ایسی چیز بتاؤں جواس سے بہتر ہے، عبداللہ بن زید نے کہا: ضرور

بتائیے؟اس نے اذان کے کلمات سکھلائے،آنکھ کھلی،توصبح سویرے دوڑے دوڑے اللہ کے رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا خواب بیان کیا،آپ ﷺ نے سن کر فرمایا: یہ خواب برحق ہے، بلال کو ان کلمات کی تلقین کرو،اور وہ ان کلمات کے ذریعہ لوگوں کو نماز کیلئے بلائیں، چونکہ ان کی آواز تم سے زیادہ بلند ہے۔

اس دن سے آج تک اذان کی آواز پوری دنیا میں گونج رہی ہے،نماز فجر کی اذان سب سے پہلے دنیا کے مشرقی ممالک انڈونیشیا وغیرہ سے شروع ہوتی ہے،ملائیشیا،چین، بنگلہ دیش،ہندوستان، پاکستان،افغانستان،ایران،ترکمانستان، تاجکستان،ازبکستان،عمان،قطر،بحرین،سعودی عرب،یمن،کویت،عرب امارات،سوریا فلسطین،اردن،ترکی،مصر، لیبیا،الجزائر، یورپ،امریکہ میں مسلسل فجر کی اذان ہوتی رہتی ہے،اذان فجر کا یہ سلسلہ ابھی ختم بھی نہیں ہوتا،کہ انڈونیشیا میں ظہر کی اذان مسجد کے میناروں سے بلند ہوتی ہے،اسی طرح پانچوں نمازوں کے وقت اذان کی آواز فضا میں گونجتی رہتی ہے،24 رگھنٹے میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا کہ موذن اللہ کی وحدانیت،عظمت،اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی گواہی نہ دے رہا ہو،ایک بین الاقوامی رپورٹ کے مطابق دنیا میں ہر وقت گونجنے والی آواز اذان ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام ہی وہ واحد مذہب ہے، جو حق ہے،اور اپنی اصلی حالت میں محفوظ ہے۔

اذان کا مقصد ہی ہے کہ بلند آواز کے ذریعہ اللہ کی کبریائی کا اعلان کیا جائے اور اللہ کے ماننے والوں کو اللہ کے دربار میں بلا کر ایک ساتھ باجماعت نماز ادا کی جائے، پہلے زمانہ میں گاڑیوں،مشینوں کے شور نہ ہونے کی وجہ سے اونچی جگہ پر اذان دی جاتی تھی،اور وہ آواز ہر گھر تک پہونچ جاتی تھی؛لیکن ابھی کی صورت حال یہ ہے کہ لوگ رہائشی مکانوں اور دفتروں میں قید رہتے ہیں،گاڑیاں اور مشینیں حد سے زیادہ بڑھ گئی ہیں سڑکوں، چوراہوں میں شورشرابہ کی وجہ سے،اگر لاؤڈاسپیکر کے ذریعہ اذان نہ دی جائے تو اذان دینے کا مقصد ہی فوت ہوکر رہ جائیگا،ہاں سونو نگم جیسے لوگ اگر اذان اور لاؤڈاسپیکر کے ذریعہ اپنی تکلیف کا اظہار کریں تو ہم کیا کریں؟اذان سے سب سے زیادہ تکلیف تو شیطان کو ہوتی ہے،تو کیا ان شیطانوں کی وجہ سے اللہ کی کبریائی کا اعلان کرنا اور لوگوں کو نماز کیلئے دعوت دینا چھوڑ دیں؟ بلکہ ہم مسلمانوں کا وجود ہی شیطانوں اور اللہ کے باغیوں کے لئے تکلیف کا باعث ہے تو ہم کیا کریں؟ دنیا چھوڑ دیں! آپ اپنی تکلیف کا ماتم کریں اور ہم اللہ کی عظمت کا اعلان، جو خدا آپ کا بھی ہے اور ہمارا بھی!

اگر چہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں لا الٰہ الا اللہ

nedaequasim@gmail.com

درس قرآن

روزہ

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم سابق پرنسپل مدرسہ اسلامیہ شمس الہدیٰ پٹنہ وبانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ

یَـآ اَیُّھَـاالَّـذِیْـنَ اٰمَـنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ۝اَیَّامًا مَّعْدُوْدَاتٍ ط

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کئے گئے تھے، تا کہ تم پرہیز گار بنو، یہ روزے چند دن کے ہیں۔

صوم یا روزہ اصطلاح شریعت میں اسے کہتے ہیں کہ انسان طلوع فجر سے غروب آفتاب تک اپنے آپ کو کھانے پینے، اور عمل زوجیت سے روکے رکھے، غیبت، فحش، بدزبانی اور تمام گناہوں سے بچنے کی سخت تاکید کی گئی ہے، جو روزے فرض ہیں وہ رمضان المبارک کے ہیں۔ روزہ کسی نہ کسی صورت میں تقریباً دنیا کے ہر مذہب اور ہر قوم میں پایا جاتا ہے، مگر یہاں پر مراد ''الَّـذِیْـنَ مِـنْ قَبْـلِکُمْ'' سے اہل کتاب ہیں، روزہ تعمیل ارشاد خداوندی میں تزکیہ نفس تربیت جسم دونوں کا ایک بہترین دستور العمل ہے۔

''لَـعَـلَّـکُـم تَتَّـقُـون'' کے ارشاد سے اسلامی روزہ کی اصل غرض وغایت کی تصریح ہوگئی کہ اس سے مقصود تقویٰ کی عادت ڈالنا اور امت وافراد کو متقی بنانا ہے، تقویٰ نفس کی ایک مستقل کیفیت کا نام ہے، جس طرح مضر غذاؤں اور مضر عادتوں کے احتیاط رکھنے سے جسمانی صحت درست ہوجاتی ہے اور مادی لذتوں سے لطف وانبساط کی صلاحیت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے، بھوک خوب کھل کر لگنے لگتی ہے، خون صالح پیدا ہونے لگتا ہے، اسی طرح اِس عالم میں تقویٰ اختیار کر لینے سے عالم آخرت کی لذتوں اور نعمتوں سے لطف اٹھانے کی صلاحیت واستعداد انسان میں پوری طرح پیدا ہوکر رہتی ہے اور یہی وہ مقام ہے جہاں اسلامی روزہ کی افضلیت تمام دوسری قوموں کے گرے پڑے روزوں پر علانیہ ثابت ہوتی ہے۔

''لَعَلَّکُم تَتَّقُون'' میں روزہ کی حکمت کی طرف اشارہ فرمایا ہے، تقویٰ، صغیرہ وکبیرہ، ظاہرہ اور باطنہ گناہوں سے بچنے کا نام ہے، آیت کریمہ نے بتایا کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کیلئے ہے۔ چونکہ انسان کے اندر بہیمیت کے جذبات ہیں، نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں جن سے نفس کا اُبھار معاصی کی طرف ہوتا رہتا ہے، روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہوتے ہیں، اور نفس کا اُبھار کم ہوجاتا ہے اور شہوات ولذات کی اُمنگ گھٹ جاتی ہے۔

پورے ماہ رمضان کے روزے رکھنا ہر عاقل، بالغ، مسلمان پر فرض ہے، ایک مہینہ کھانے، پینے اور جنسی تعلقات کے مقتضی پر عمل کرنے سے اگر باز رہے تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر ایک سدھار پیدا ہوجاتا ہے، اگر کوئی شخص رمضان کے روزے ان احکام وآداب کی روشنی میں رکھ لے جو قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں تو واقعتاً نفس کا تزکیہ ہوجاتا ہے، پھر نفس میں ابھار ہوتا ہے تو آئندہ رمضان آموجود ہوتا ہے۔

جو گناہ انسان سے سرزد ہوجاتے ہیں ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں: ایک منہ، دوسری شرمگاہ۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے نقل کیا کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرانے کا ذریعہ بنے گی؟ آپ ﷺ نے جواب دیا: ''اَلفَمُ والفَرُجُ'' منہ اور شرمگاہ، ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے، روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے، اور مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہوسکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اسی لئے تو ایک حدیث میں فرمایا: ''اَلصِّیَامُ جُنَّۃٌ'' یعنی روزہ ڈھال ہے (بخاری ومسلم)

اگر روزہ کو پورے اہتمام اور احکام وآداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہوجاتا ہے، ہاں اگر کسی نے روزہ کے لوازم کا خیال نہ کیا اور گناہوں میں مشغول رہتے ہوئے روزہ کی نیت کرلی اور کھانے پینے اور خواہش نفسانی سے باز رہا مگر حرام کمانے اور غیبت کرنے میں لگا رہا تو اس سے فرض تو ادا ہوجائیگا مگر روزہ کے برکات وثمرات سے محرومی رہے گی۔

اور ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ لَمْ یَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِوَالْعَمَلَ بِہٖ	جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے
فَلَیْسَ لِلّٰہِ حَاجَۃٌ فِیْ اَن یَّدَعَ طَعَامَہٗ وَشَرابَہٗ	تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ محض کھانا پینا چھوڑ دے۔

معلوم ہوا کہ کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کو فواحش، منکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے، روزہ منہ میں ہو اور آدمی بدکلامی کرے یہ اس کیلئے زیب نہیں دیتا اسی لئے تو سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذَاکَانَ یَومُ صَومِ اَحَدِکُمْ فَلاَ یَرْفُثْ	جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو تو گندی باتیں نہ کرے،
وَلاَیَصْخَبْ فَاِنْ سَابَّہٗ اَحَدٌ اَوْ قَاتَلَہٗ	شور نہ مچائے، اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا
فَلْیَقُلْ اِنِّیْ امْرُءٌ صَآئِمٌ. (بخاری ومسلم)	کرنے لگے تو یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے اللہ کے رسول ﷺ نے ارشادفرمایا: کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کیلئے (حرام کھانے یا حرام کام کرنے یا غیبت وغیرہ کرنے کی وجہ سے) پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں، اور بہت سے تہجد گذار ایسے ہیں جن کیلئے ریا کاری کی وجہ سے جاگنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ (دارمی)

روزہ اور صحت: روزہ جہاں ظاہر وباطن کا تزکیہ ہوتا ہے اس سے صحت وتندرستی بھی حاصل ہوتی ہے، ڈاکٹر واطباء بھی یہ بات بتاتے ہیں کہ روزہ کا صحت جسمانی سے خاص تعلق ہے، اور رمضان میں جو ماجرا سب اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ بارہ چودہ گھنٹے خالی پیٹ رہکر افطار کے وقت نرم گرم دال، پکوڑی، کچے پکے چنے، اور طرح طرح کی چیزیں چندمنٹ کے اندر معدہ میں پہنچ جاتی ہیں اور کچھ بھی کسی کو تکلیف نہیں ہوتی، یہ صرف روزہ کی برکت ہے۔

روزہ کی فضیلت: ایک روزہ رکھ لینے پر خدائے پاک کی طرف سے کیا انعام ملتا ہے؟ اس کے بارے میں سید عالم ﷺ نے ارشادفرمایا:

مَنْ صَامَ يَوماًفِي سَبِيْلِ اللّٰهِ بَعَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهُ عَنِ النَّارِسَبْعِيْنَ خَرِيْفًا. (بخاری ومسلم)

جو شخص اللہ کی خوشنودی کیلئے ایک دن روزہ رکھے اللہ تعالیٰ اس کو آتش دوزخ سے اتنی دور کردیں گے جتنی دور کوئی شخص ستر سال تک چل کر پہنچے۔

اس حدیث میں نفل یا فرض روزہ کی تخصیص نہیں کی گئی ہے اور خاص رمضان کے روزے کے بارے میں ارشاد نبوی ﷺ ہے کہ:

مَنْ اَفْطَرَيَوماًمِنْ رَمَضَانَ مِنْ غَيْرِ رُخْصَةٍ وَّلَامَرضٍ لَمْ يَقْضِ عَنْهُ صَومُ الدَّهْرِ كُلِّهٖ وَاِنْ صَامَهُ. (احمد، ترمذی)

شرعاً جسے روزہ چھوڑنے کی اجازت نہ ہو اور عاجز کرنے والا مرض بھی لاحق نہ ہو اس نے اگر رمضان کا ایک روزہ چھوڑ دیا تو عمر بھر روزے رکھنے سے بھی اس ایک روزہ کی تلافی نہ ہوگی، اگرچہ (بطور قضا) عمر بھر روزے بھی رکھ لے۔

بات یہ ہے کہ ہر چیز کا ایک موسم ہوتا ہے، اور موسم کے اعتبار سے اشیاء واجناس کی قیمت بڑھتی اور چڑھتی ہے، ماہ رمضان المبارک فرض روزوں کیلئے مخصوص ہے، اگر کسی نے رمضان المبارک کا ایک روزہ چھوڑ دیا، اس کے نامہ اعمال میں گناہ کبیرہ تو لکھا ہی گیا، اور روزہ رکھنے پر جو ثواب عظیم اور بہت بڑی خیر وبرکت سے محرومی وہ اس کے علاوہ ہے، جو بہت بڑا نقصان ہے، اس ایک روزہ کے عوض اگر عمر بھر بھی روزہ رکھے تب بھی وہ بات حاصل نہ ہوگی جو رمضان میں روزہ رکھنے سے حاصل ہوتی ہے۔

اللہ ہمیں ماہ رمضان المبارک کی قدردانی کی توفیق دے۔ آمین

درس حدیث

فضائل روزہ اور رمضان

جناب مولانا محمد ناظم صاحب ناظم جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ، جنرل سکریٹری جمعیۃ علماء بہار

عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ قَالَ قُلْتُ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مُرْنِیْ بِأَمْرٍ یَنْفَعُنِیَ اللّٰہُ بِہٖ، قَالَ: عَلَیْکَ بِالصَّوْمِ، فَاِنَّہٗ لَامِثْلَ لَہٗ. (النسائی: ۱/۱۳۰)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رحمت عالم ﷺ سے عرض کیا: مجھے کسی ایسے عمل کا حکم دیجئے جس سے حق تعالیٰ مجھے نفع دے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: روزہ رکھا کرو! اس کے مثل کوئی عمل نہیں ہے۔

روزہ کی حقیقت:

روزہ کی حققیت اور حکمت میں بھی خاص مناسبت ہے، وہ اس طرح کہ روزہ کی حقیقت تو اظہار عبدیت ہے، کہ روزہ بندہ مومن کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی بندگی، تابعداری اور فرمانبرداری کا بہترین مظاہرہ ہے، جس کا دانیٰ درجہ یہ ہے کہ مومن بندہ طلوع صبح صادق سے غروب آفتاب تک اللہ تعالیٰ کی رضاومنشاء کے مطابق کھانے، پینے، اور بیوی کے تعلق سے رُکتا ہے، اسے جسمانی روزہ بھی کہتے ہیں، لیکن روزہ کا اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ مومن بندہ تمام معاصی ومحرمات سے بچارہے، یہی تقوی ہے، اسے روحانی روزہ بھی کہتے ہیں۔ مختصر یہ کہ روزہ دار بندہ روزہ کے ذریعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ اس کے تمام اعمال، افعال، احوال، حرکات، سکنات حتی کہ جینا اور مرنا سب کا مرکزی اور بنیادی نقطہ امرالٰہی اور مرضی مولیٰ ہے۔

''اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' (الانعام: ۱۶۲)

بیشک میری نماز، میری عبادت اور میرا جینا مرنا سب اللہ ہی کیلئے ہے، جورب العالمین ہے۔ یہ حقیقی اور سچی کیفیت زندگی میں پیدا ہوجائے تو یہی تقویٰ کی حقیقت ہے۔ اور کیونکہ یہ جذبہ اور حوصلہ روزہ سے پیدا ہوتا ہے، اس اعتبار سے روزہ تقویٰ کی تربیت کا کام کرتا ہے، روزہ کے ذریعہ تھوڑی دیر کیلئے اس کی پریکٹس

کروائی جاتی ہے کہ اگر بھوک لگی ہے، اور گھروں میں حلال کھانا اور غذا موجود ہے، مگر مولیٰ کی مرضی کے مطابق فاقہ کرنے کا عادی بن جائے، پیاس لگی ہے، گھر میں ٹھنڈا پانی اور میٹھا شربت موجود ہے، مگر مولیٰ کے حکم کی نسبت پر پیاسا رہنے کا عادی بن جائے، نفس کی خواہش ابھری، اور گھر میں بلکہ پاس میں پیاری حسین وجمیل بیوی موجود ہے، مگر حکم الٰہی کے مطابق کچھ دیر اس سے بھی رُکے رہنے کا عادی بن جائے، روزے سے بندہ اس کا عملی ثبوت پیش کرتا ہے، اور اسی سے اس میں تقویٰ کی صلاحیت پیدا ہوجاتی ہے، جو روزہ کی حکمت ہے۔ اس لئے جب روزہ کے ذریعہ جو شخص اپنے گھر کی حلال چیزوں سے بچنے اور رُکنے کا عادی بنے گا وہ حرام اور دوسرے کے مال پر کیسے ہاتھ ڈالے گا؟ اور جو روزہ کے ذریعہ اپنی بیوی سے جائز شہوت سے بچنے اور رُکنے کا عادی بنے گا وہ حرام طریقہ سے دوسروں کی آبرو اور بیٹی، بہو پر ناجائز نظر بھی کیسے ڈالے گا؟

روزہ کی سب سے بڑی فضیلت

حدیث پاک میں اس بے مثال عبادت اور عمل کے اور بھی فضائل بکثرت وارد ہوئے ہیں اور واقعی اگر روزہ اس کے پورے آداب، مستحبات، اخلاص اور احتیاط کی رعایت کیساتھ رکھا جائے اور آدمی سارا کا سارا روزہ دار بن جائے، یعنی تمام معاصی اور محرمات سے بچ جائے جو روزہ کی اصل غرض وغایت ہے، تو پھر اس کے ذریعہ روزہ دار اللہ تعالیٰ کا ولی بن سکتا ہے، علاوہ ازیں اس کے وہ فضائل ہیں کہ وہ اپنی فضیلتوں میں بھی بے مثال ہے۔

حدیث قدسی میں ہے: ''اَلصَّوْمُ لِیْ، وَأَنَا أَجْزِیْ بِہٖ'' روزہ خاص میری پسندیدہ عبادت ہے، یا میرے لئے ہے، اس ارشاد میں غیر کی شرکت کی بالکل ہی نفی کردی، کسی دوسری عبادت کیلئے ایسا نہیں فرمایا گیا، جب کہ ساری عبادتیں بلا شرکت غیر صرف اللہ تعالیٰ ہی کیلئے ہیں، مگر روزہ کی شان کچھ اور ہی ہے، کہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہونے کا شرف حاصل ہے، ارشاد ہوتا ہے: ''اَلصَّوْمُ لِی'' اور یہ اس لئے بھی فرمایا کہ روزہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندہ کے درمیان ایک راز ہے۔

اس لئے اسے اپنی ذات کے ساتھ خاص فرمادیا، اور پھر اسی پر بس نہیں کیا، بلکہ مزید اس خصوصی عمل کا خصوصی بدلہ اس طرح بیان فرمایا کہ: ''وَأَنَا أَجْزِیْ بِہٖ'' اس کا بدلہ بھی میں خود ہی دونگا۔ دنیا میں ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق دیتا ہے، چھوٹا اپنی حیثیت کے مطابق، تو بڑا اپنی حیثیت کے مطابق، اور بادشاہوں کا تو پوچھنا ہی کیا، جب وہ کسی سے خوش ہوجاتے ہیں تو جھولیاں بھر بھر کے عطا کرتے ہیں۔

رمضان میں اللہ کی رحمت:

عَنْ أَبِیْ هُرَيْرَةَ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ أَبْوَابُ السَّمَآءِ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: "فُتِحَتْ أَبْوَابُ الْجَنَّةِ" وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ، وَفِيْ رِوَايَةٍ: "فُتِحَتْ أَبْوَابُ الرَّحْمَةِ" (متفق علیه)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رحمت عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جب رمضان آتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور ایک روایت میں ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں اور شاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں اور ایک روایت میں بجائے ابواب جنت کے ابواب رحمت کھول دیئے جانے کا ذکر ہے۔

اگر سارے سال میں گنہگار اللہ تعالیٰ کی رحمت کو تلاش کرتے ہیں، تو رمضان المبارک میں خود اللہ تعالیٰ کی رحمت گنہگاروں کو تلاش کرتی ہے، اور گیارہ مہینوں میں اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت تقسیم کی جاتی ہے تو مضان المبارک میں اللہ تعالیٰ کی رحمت لٹائی جاتی ہے، بلکہ یہ تو رحمت الٰہی کے سیلاب کا مہینہ ہے، کہ جب سیلاب آتا ہے تو ہر چھوٹے بڑے گناہ کو اپنی طغیانی و روحانی میں بہا کر لے جاتا ہے، رمضان تو روحانی، رحمانی، ایمانی بارش کا موسم اور سیزن ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی رحمت موسلا دھار بارش کے مانند برستی ہے، فرق اتنا ہے کہ برسات میں آسمان سے پانی برستا ہے تو رمضان میں آسمان سے رحمت برستی ہے، اور عام طور پر جب کہیں پانی اور ابر رحمت برستا ہے تو ویرانوں میں بھی گھاس اُگ جاتی ہے، مردہ چٹانوں کے سینوں پر بھی درختوں کی کونپلیں نکل آتی ہیں، مرجھائے ہوئے پھولوں میں شادابی آجاتی ہے، رمضان کی حیثیت بھی بالکل ایسی ہی ہے کہ اس کی آمد سے انسانوں کے ویران دلوں میں ایمانی گھاس اُگ جاتی ہے، سخت سینوں میں عبادات الٰہی، رحم اور ہمدردی کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے، مرجھایا ہوا باغ اسلام پھر ایک بار مسلمانوں کے نیک اعمال واخلاص اور اخلاق سے بھرا ہوا اور سرسبز شاداب ہو جاتا ہے، اور یہ سب حدیث مذکور کے مطابق "فُتِحَتْ أَبْوَابُ الجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ، وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ" کی برکت ہے۔ رمضان بندوں کی ایمانی و روحانی کھیتی کا زمانہ آ گیا، ہر قسم کے خار اور دل کے فساد کو پاک کرنے کیلئے۔

الغرض! رمضان المبارک کی فضیلت اتنی کثرت سے بیان کی گئی ہے کہ مسلمانوں کے خواص تو خواص،

عوام بھی اس سے واقف ہیں، حدیث مذکور میں فرمایا کہ رمضان داخل ہوتے ہی آسمانوں اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور دوزخ کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے، اور شیاطن مضبوطی سے جکڑ دیئے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جنت جو مقام رحمت ہے اس کے دروازوں کو کھول دیا جاتا ہے اور جہنم جو مقام غضب ولعت ہے، اس کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے رمضان المبارک میں جب ندے رحمت والے کاموں میں منہمک ہوجاتے ہیں اور لعنت والے کاموں سے کنارہ کش ہوجاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت برستی ہے، دراصل یہی جنت کے دروازوں کا کھلنا اور لعنت کی آندھی کا رُک جانا جہنم کے دروازوں کا بند ہونا ہے، پھر شیطان بندوں کو گمراہ کرنے سے عاجز ہوجاتے ہیں، اور یہی ان کا قید ہونا ہے۔

اور قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث ظاہر معنوں پر بھی محمول ہوسکتی ہے، لہذا جنت کے دروازوں کا کھلنا، دوزخ کے دروازوں کا بند ہونا اور شیطانوں کا قید ہونا اس مہینے کی آمد کی اطلاع اور اس کی عظمت اور حرمت وفضیلت کی وجہ سے ہے، شیاطین کا بند ہونا اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ اہل ایمان کو وسوسوں میں مبتلا کرکے ایمانی وروحانی اعتبار سے ایذا نہ پہنچاسکیں، جیسا کہ دستور زمانہ بھی ہے کہ جب کوئی اہم موقع ہوتا ہے تو خصوصی انتظامات کئے جاتے ہیں، تمام شر پسندوں کو قید کردیا جاتا ہے، تاکہ وہ اس موقع پر کوئی رخنہ وفتنہ پیدا نہ کریں، اور حکومت اپنے حفاظتی دستوں کو ہر طرف پھیلا دیتی ہے، یہی حال رمضان المبارک میں بھی ہوتا ہے کہ شیطانوں کو قید کردیا جاتا ہے۔

اور اس مجازی معنی بھی مراد لئے جاسکتے ہیں، کیونکہ شیاطین کا اکسانا اس ماہ میں کم ہوجاتا ہے، اس لئے گویا وہ قید ہوجاتے ہیں۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ جنت کے دروازے کھولنے سے مراد یہ ہو کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر طاعات اور عبادات کے دروازے اس ماہ میں کھول دیتا ہے، یہی وجہ ہے کہ جو عبادتیں کسی اور مہینے میں عام طور پر واقع نہیں ہوسکتی وہ عموماً رمضان میں بآسانی ادا ہوجاتی ہیں، یعنی روزے رکھنا، قیام کرنا وغیرہ۔ (نووی شرح مسلم: ۳۴۴)

رمضان کی دعائیں:

ایک موقع پر رمضان کی آمد پر رحمت عالم ﷺ نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا جس میں رمضان کی فضیلت بیان فرمائی:

لوگو! تم پر عظمت اور برکت والا مہینہ سایہ فگن ہو رہا ہے، پھر آپ ﷺ نے رمضان کی سب سے بڑی فضیلت کو بیان فرمایا: کہ اس میں ایک ایسی رات ہے (شب قدر) جو ہزار دنوں اور راتوں سے نہیں، بلکہ ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ ''لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِنْ اَلْفِ شَھْرٍ'' (القدر:۳)

خطبہ کے آخر میں فرمایا کہ رمضان کا ابتدائی حصہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے، اور آخری حصہ جہنم سے نجات و برأت کا ہے۔ (مشکوٰۃ:۱۷۳)

پہلے عشرۂ رحمت میں یہ دعاء بھی پڑھ سکتے ہیں: ''رَبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ'' (المؤمنون:۱۱۸) اے میرے رب! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما، تو سب سے بہتر رحم کرنے والا ہے۔

دوسرے عشرۂ مغفرت میں: ''اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ'' (مشکوٰۃ:۲۰۵) میں اللہ تعالیٰ سے تمام گناہوں کی بخشش چاہتا ہوں جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں، جو زندہ اور ہر چیز کو تھامنے والا ہے، اور اس کی طرف میں رجوع کرتا ہوں۔

تیسرے عشرۂ نجات میں: ''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ'' (مشکوٰۃ:۱۸۲) اے اللہ! تو بلاشبہ خوب معاف کرنے والا ہے، اور معافی کو پسند کرتا ہے، مجھے معاف کر دے۔ یہ دعائیں بہتر ہیں۔

واللہ اعلم

○❖○

09431015205 | 0612 - 2675321

ہر قسم کی عمدہ اور فرحت بخش چائے کا مرکز

ڈائمنڈ ٹی کمپنی

DIAMOND TEA CO.

دریاپور گولہ، باری پتھ، پٹنہ - ۴

مقالات ومضامین

رمضان آخرت کی کمائی کا مہینہ ہے
اس میں خوب زیادہ عبادت کریں!

حضرت مولانا مفتی محمد عاشق الٰہی صاحب بلند شہریؒ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا دَخَلَ رَمَضَانُ فُتِحَتْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَفِیْ رِوَایَةٍ فُتِحَتْ اَبْوَابُ الرَّحْمَةِ. (بخاری ومسلم)

وعَنهُ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَاکَانَ اَوَّلُ لَیْلَةٍ مِّنْ شَهْرِ رَمَضَانَ صُفِّدَتِ الشَّیَاطِیْنُ وَمَرَدَةُ الْجِنِّ وَغُلِّقَتْ اَبْوَابُ النَّارِ فَلَمْ یُفْتَحْ مِنْهَا بَابٌ وَّفُتِحَتْ اَبْوَابُ الْجَنَّةِ فَلَمْ یُغْلَقْ مِنْهَا بَابٌ وَیُنَادِیْ مُنَادٍیَا بَاغِیَ الْخَیْرِ اَقْبِلْ وَیَا بَاغِیَ الشَّرِّ اَقْصِرْ وَلِلّٰهِ عُتَقَاءُ مِنَ النَّارِ وَذٰلِکَ کُلَّ لَیْلَةٍ. (الترمذی)

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ روایت فرماتے ہیں کہ جب رمضان داخل ہوتا ہے تو آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، ایک روایت ہے کہ جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، اور شیاطین جکڑ دیئے جاتے ہیں، ایک روایت ہے کہ رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں۔ (مشکوٰۃ:۱۷۳)

حضرت ابوہریرہؓ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں جب ماہ رمضان کی پہلی رات ہوتی ہے تو شیاطین اور سرکش جن جکڑ دیئے جاتے ہیں اور دوزخ کے دروازے بند کردیئے جاتے ہیں، پھر ان میں سے کوئی ایک دروازہ بھی نہیں کھولا جاتا، اور جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر ان میں ایک دروازہ بھی بند نہیں کیا جاتا، اور ایک ندا دینے والا پکارتا ہے کہ اے خیر کے تلاش کرنے والے آگے بڑھ اور اے برائی کے تلاش کرنے والے رُک جا۔ (مشکوٰۃ:۱۷۳)

تشریح: ان دونوں حدیثوں سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

اول: یہ کہ شروع ماہِ رمضان سے ہی جنت کے اور رحمت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں جو ختم

ماہ تک بند نہیں کیے جاتے اور دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں جو مہینہ ختم ہونے تک نہیں کھولے جاتے۔

دوم: رمضان کا مہینہ آنے پر شیاطین اور سرکش جنات جکڑ دیئے جاتے ہیں۔

سوم: ایک منادی روزانہ رمضان کی راتوں میں پکار کر کہتا ہے کہ اے نیکی کے تلاش کرنے والے آگے بڑھ اور اے بُرائی کے تلاش کرنے والے رُک جا۔

چہارم: رمضان میں روزانہ رات کو اللہ جل شانہ بہت سے لوگوں کو دوزخ سے آزاد فرما دیتے ہیں۔

رمضان المبارک بہت ہی خیر و برکت کا مہینہ ہے، اور آخرت کی کمائی کا بہت بڑا سیزن ہے، جیسے سردی کے زمانہ میں گرم کپڑوں والوں کی خوب کمائی ہوتی ہے اور جیسے بارش میں ٹیکسی والوں کی خوب چاندی بن جاتی ہیں، اسی طرح آخرت کی کمائی کیلئے بھی خاص مواقع آتے رہتے ہیں۔

رمضان المبارک نیکیوں کا مہینہ ہے، اجر و ثواب خوب زیادہ بڑھا دیا جاتا ہے، نفل کا ثواب فرض کے برابر، ایک فرض کا ستر فرضوں کے برابر ثواب ملتا ہے، اس ماہ میں نیکیوں کی ایسی ہوا چلتی ہے کہ خود بخود طبیعتیں نیکی پر آجاتی ہیں، اور اللہ کا منادی بھی نیکی کرنے والوں کو تھپکی دے دے کر آگے بڑھاتا ہے، لامحالہ ایسی صورت میں مومن بندے خوب زور شور سے نیکیوں میں لگ جاتے ہیں، جو شخص دوسرے مہینوں میں دو رکعت نماز پڑھنے سے جان چراتا ہے وہ رمضان المبارک میں پنج وقتہ نماز اور تلاوت کا پابند ہو جاتا ہے، اور نہ صرف پنج وقتہ فرض پڑھتا ہے بلکہ عشاء کے فرضوں کے بعد تراویح کی خوب لمبی لمبی بیس رکعتیں خوشی خوشی کے ساتھ ادا کر لیتا ہے، بہت سے شرابی اس ماہ میں شراب چھوڑ دیتے ہیں اور حرام خور حرام کھانے سے باز آجاتے ہیں۔

فرائض کا اہتمام تو بہرحال ضروری ہے، نفلی نماز، ذکر، تلاوت اور دیگر عبادات کی طرف بھی خصوصی توجہ کرنا چاہیئے، اس ماہ میں کوشش کریں کہ کوئی منٹ ضائع نہ ہو، لا الٰہ الا اللہ اور استغفار کی کثرت کریں، اور جنت کا سوال اور دوزخ سے محفوظ رہنے کی دعا بھی کثرت سے کریں۔ شاید کسی کے دل میں یہ خیال گزرے کہ جب شیاطین بند ہو جاتے ہیں تو بہت سے لوگ رمضان میں بھی گناہوں میں مبتلا کیوں نظر آتے ہیں؟ بات اصل یہ ہے کہ انسان کا نفس گناہ کرانے میں شیطان سے کم نہیں ہے، جن لوگوں کو گناہوں کی خوب عادت ہو جاتی ہے انہیں گناہوں کا چسکا پڑ جاتا ہے، شیطان کے ترغیب دیئے بغیر بھی ان کی زندگی کی گاڑی گناہوں کی پٹری پر چلتی رہتی ہے، گناہ تو انسان سے ہو ہی جاتا ہے، مگر گناہ کا عادی بننا اور اس پر اصرار کرنا اور رمضان جیسے مہینہ میں گناہ کرنا بہت ہی زیادہ خطرناک ہے، جہاں گناہ کرانے کیلئے شیطان کے بہکانے کی بھی ضرورت نہ پڑے وہاں شرارتِ نفس کا کیا حال ہوگا؟ ❍❖❍

اسلام میں ائمہ ومؤذنین کا مقام ومرتبہ اور ہماری ذمہ داریاں

حضرت مولانا اسرارالحق قاسمی، صدر آل انڈیا تعلیمی وملی فاؤنڈیشن، دہلی

اسلام اور مسلم معاشرے میں امامت ایک معزز منصب رہا ہے اور اس پر فائز رہنے والے لوگوں کو عام وخاص ہر طبقے میں احترام اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا رہا ہے۔ جب دنیا کے بیشتر خطوں میں سیاسی وسماجی اور تہذیبی وعلمی اعتبار سے مسلمانوں کا غلبہ تھا اور مسلم تہذیب دنیا کی مقبول ترین تہذیب تھی، اس وقت امام کا مرتبہ اس اعتبار سے غیر معمولی تھا کہ وہ نہ صرف پنج وقتہ، جمعہ وعیدین اور جنازے کی نمازوں میں مسلمانوں کے پیشوا ہوتے تھے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ لوگ اپنے روزمرہ کے مسائل ومشکلات کے حل کیلئے بھی انہی سے رجوع کیا کرتے تھے۔ ماضی میں دین ودنیا کے کئی اہم کارنامے انجام دینے والے بے شمار اشخاص مساجد کے منبروں سے ہی وابستہ تھے۔ اسلامی کتب خانے کا اچھا خاصا حصہ ائمہ کی علمی وفکری قابلیتوں کی منہ بولتی تصویر ہے۔ ان کی اہمیت و برتری اور فضیلت کو دراصل اللہ کے نبی ﷺ نے اپنے قول وعمل کے ذریعے لوگوں کے دلوں میں بٹھایا تھا۔

ایک موقع پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: کہ ''امام اس لئے بنائے گئے ہیں کہ ان کی اقتدا کی جائے''۔ اس کا ایک ظاہری مطلب یہ ہے کہ نماز کے دوران اماموں کی اقتدا کرنی چاہیے اور ان کے عمل کے مطابق عمل کیا جائے تا کہ ہماری نماز درست اور مکمل ہوسکے۔ لیکن ایک مطلب اس کا یہ بھی ہے کہ معاشرے میں امام کے منصب کا اعتراف کرتے ہوئے ان کے اچھے اور اعلیٰ اخلاق وکردار کو اپنایا جائے اور اس سلسلے میں بھی انہیں اپنا راہنما بنایا جائے۔

نبی اکرم ﷺ پوری زندگی مسجد نبوی کے امام وخطیب رہے اور مسلمانوں کو دی جانے والی تمام تر تعلیمات مسجدوں کے ذریعے ہی پایۂ تکمیل کو پہنچتی تھیں۔ چاہے معاشرتی مسائل ہوں یا اللہ کے راستے میں جہاد کیلئے نکلنے کی تدبیریں، چاہے تعلیم وتعلم ہو یا دیگر امور سب امام یعنی نبی پاک ﷺ کے ذریعے ہی لوگوں تک پہنچتے تھے۔ اسی طرح لوگوں کو نماز کے اوقات کی خبر دینا اور انہیں دن کے پانچ وقت کامیابی اور خیر

کی طرف بلانا بھی نہایت ہی شرف اور فضیلت والا عمل ہے اور نبی پاک ﷺ نے امام کے ساتھ ساتھ مؤذنین کیلئے بھی بڑے اجر وثواب کی بشارت دی ہے۔

امام ابن تیمیہؒ نے ایک حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے دریافت کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ! مجھے کوئی کام بتائیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''اپنی قوم کے امام بن جاؤ!'' تو انھوں نے کہا: ''اگر یہ ممکن نہ ہوتو؟'' تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر مؤذن بن جاؤ!''۔ (شرح العمدہ)

اس حدیثِ پاک سے سیدھے طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ کی نگاہ میں امامت اور مؤذنی ایک اعلیٰ اور شرف والا عمل تھا، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ایک صحابی کو اس کی تلقین فرمائی۔ ایک دوسری حدیث جسے امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے، اس میں ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا: ''تین قسم کے لوگ قیامت کے دن مشک کے ڈھیر پر ہوں گے۔ ایک وہ جس نے اللہ کے اور اپنے غلاموں کے حقوق ادا کیے ہونگے، دوسرا وہ شخص جس نے لوگوں کی امامت کی اور اس کے مقتدی اس سے خوش رہے اور تیسرا وہ شخص جس نے روزانہ پانچ وقت لوگوں کو نماز کی دعوت دی''۔ یعنی جو اذان دیا کرتا تھا۔ اس حدیثِ پاک سے تو اور بھی وضاحت کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ امامت اور مؤذنی اللہ کے نزدیک مؤقر عمل ہے اور دونوں قسم کے لوگوں کیلئے اللہ کی خاص رحمت و مہربانی مقدر ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد فرمایا گیا: کہ ''محشر کے دن مؤذنین کی گردنیں سب سے لمبی ہوں گی''۔ یعنی وہ دوسرے لوگوں کے مقابلے میں نمایاں ہوں گے اور بآسانی پہچانے جاسکیں گے۔ ایک موقع پر فرمایا گیا کہ ''اگر لوگوں کو پہلی صف میں نماز پڑھنے اور اذان دینے کی فضیلت کا علم ہوجائے تو قرعہ اندازی کی نوبت آجائے گی''۔ اسی طرح اللہ کے رسول ﷺ نے خاص طور پر امام اور مؤذن کے لیے رشد و مغفرت کی دعا فرمائی ہے۔ (سنن ابوداؤد)

ایک طرف ائمہ اور مؤذنین کے بارے میں اتنی فضیلتیں وارد ہیں جنہیں جان کر ایک انسان کے دل میں حسرت پیدا ہوتی ہے کہ کاش وہ امام یا مؤذن بن پاتا۔ لیکن دوسری جانب جب ہم موجودہ وقت میں اپنے معاشرے کے ائمہ اور مؤذنین کی صورتِ حال اور ان کے ساتھ لوگوں کے رویوں کا مشاہدہ کرتے ہیں تو نہایت افسوس اور تکلیف ہوتی ہے اور پھر عام حالتوں میں کوئی بھی شخص امام یا مؤذن بننے کا خواب نہیں دیکھتا۔ مختلف اسباب کی بناء پر آجکل ایسا ماحول بنادیا گیا ہے کہ دوسرے لوگوں کو تو چھوڑیں خود مسلمان اور وہ بھی

باشعور سمجھے جانے والے مسلمان بھی امامت اور مؤذنی کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ حالانکہ دوسری جانب ایک ناقابلِ انکار حقیقت یہ ہے کہ پانچ وقتوں اور عیدین کی نمازوں کے علاوہ بھی پیدائش سے لیکر موت تک ہم ایک امام اور مؤذن کے محتاج ہوتے ہیں۔ ایسا باور کیا جاتا ہے کہ مساجد کے امام اور مؤذنین معاشرے پر بوجھ ہیں اور پھر ان کے ساتھ عام طور پر اسی قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے، یقین جانئے ہمارا یہ عمل خود ہماری بدبختی اور اللہ کی ناراضگی کا سبب ہے اور اس سے خود ہمیں ہی دنیا وآخرت میں خسارہ ہوگا۔

یہ کس قدر حیرت اور افسوس کا مقام ہے کہ ایک جانب تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ امامت اور مؤذنی کرنا معمولی کام، یہ کام کرکے انسان پرسکون طریقے سے اپنی زندگی نہیں گزار سکتا اور اس میں اپنی اولاد کو لگانا گویا ان کی زندگی کو برباد کرنا ہے، جبکہ دوسری جانب جب ہم ہی مسجد کے ٹرسٹی یا متولی بنتے ہیں تو امام یا مؤذن کی تنخواہ پانچ چھ ہزار سے زائد کرنے کیلئے کسی بھی صورت تیار نہیں ہوتے۔ معمولی سے معمولی شخص بھی جس کا معاشرے میں کوئی وزن اور اہمیت نہیں ہوتی، وہ کسی بھی وقت امام یا مؤذن پر اپنا غصہ نکال سکتا ہے، کسی بھی وقت اسے یہ کہہ کر نکال دیا جاسکتا ہے کہ آپ ہماری مسجد کے لائق نہیں۔ ہمارا تقاضا ہوتا ہے کہ امام اور مؤذن کو انسان نہیں، فرشتہ ہونا چاہیے مگر خود ہم کسی کے ساتھ انسانی اخلاق کے ساتھ بھی پیش نہیں آتے۔

پس اِس وقت مسلمانوں میں بے شمار سماجی اصلاحات کے ساتھ کرنے کا ایک اہم کام یہ بھی ہے کہ ائمہ اور مؤذنین کے تئیں لوگوں کے دلوں میں احترام اور وقار کا جذبہ پیدا کیا جائے۔ اسلام میں ان کا جو مقام و مرتبہ بتایا گیا ہے اس سے لوگوں کو روشناس کیا جائے اور لوگوں کو مساجد سے جوڑتے ہوئے ائمہ کی مخلصانہ اقتدا کا ماحول بنایا جائے۔ ہر دور میں عوام کا مساجد اور اماموں سے گہرا ربط رہا ہے، آج بھی عام مسلمانوں کا دن رات کا تعلق اپنے اماموں سے ہوتا ہے، اگر عوام اور ائمہ کے مابین تعلقات مضبوط ہوں گے اور دونوں طرف افادہ و استفادہ کی راہ ہموار ہوگی تو اس طرح مجموعی طور پر پورے مسلم معاشرے میں ایک خوشگوار سماجی انقلاب برپا ہوسکتا ہے۔ ہمارے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جہاں ہم مساجد کی تعمیر وتزئین میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں اور ہر محلے، بستی اور شہر کے مسلمان اپنی اپنی استطاعت کے بقدر یہ کوشش کرتے ہیں کہ ان کے علاقے کی مسجدوں میں نمازیوں کو ہر قسم کی سہولت دستیاب ہو، چنانچہ گرمیوں میں اے سی، پنکھوں اور کولر کا انتظام کیا جاتا ہے اور ٹھنڈیوں میں گرم پانی کا انتظام کیا جاتا ہے، بہت ساری مسجدوں میں مخملیں اور گدے

والے مصلے بھی بچھا دیے جاتے ہیں، تو ان سب کے ساتھ ساتھ ہمیں اس پر بھی توجہ دینی چاہیے کہ جو شخص ہمیں پانچ وقتوں کی نماز پڑھاتا ہے اور جو ہمیں ان نمازوں کے اوقات کی خبر دیتا ہے، ہر طرح کے موسم اور حالات میں بروقت اذان دیتا ہے، ان کی تنخواہیں بھی بہتر کی جائیں، آج کا دَور تو اتنا مہنگا ہو گیا ہے کہ لاکھوں کمانے والے لوگ بھی پریشان ہی رہتے ہیں، لیکن کیا مساجد کی تعمیر و تزئین میں لاکھوں کروڑوں خرچ کرنے والے ہم مسلمان اپنے ائمہ اور مؤذنین کو اتنی تنخواہیں نہیں دے سکتے کہ وہ ایک بہتر اور اطمینان بخش زندگی گزار سکیں؟ اس سلسلے میں مساجد کے متولیان اور ٹرسٹیان کو خصوصی توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

ایک گزارش ائمۂ کرام سے بھی ہے کہ وہ معاشرے میں اپنے مقام و مرتبے سے باخبر رہیں، وہ صرف نمازوں کے امام نہیں ہیں بلکہ ان کے اعمال و اخلاق اور کردار کا اثر دوسرے لوگوں پر بھی پڑتا ہے۔ آپ کوئی ایسا عمل نہ کریں جو آپ کی شان اور مرتبے کے خلاف ہو، صرف نماز پڑھا دینا ہی آپ کی ذمے داری نہیں ہے بلکہ لوگوں کے اعمال و عقائد کی اصلاح کا ذمہ بھی شریعت نے آپ کے اوپر رکھا ہے۔ مسلمانوں کی اخلاقی و عملی بے کرداری کے خاتمے میں ائمۂ کرام اہم کردار ادا کر سکتے ہیں اور ان سے یہ مطلوب بھی ہے۔ یہ حقیقت ہر وقت ذہن میں رہنا چاہیے کہ جو منصب یا مقام جتنا اہم اور عظیم ہوتا ہے، اس کی ذمے داریاں بھی اسی قدر اہم ہوتی ہیں۔ جہاں آپ کے اچھے اور عمدہ اخلاق و اعمال معاشرے پر اچھے اثرات مرتب کرتے ہیں، وہیں آپ کی معمولی لغزش بھی بے شمار لوگوں کیلئے فساد اور برائی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ "امام ضامن ہوتا ہے"۔

مطلب یہ کہ امام نہ صرف اپنے مقتدیوں کی نمازوں کا ضامن ہے اور اس کی نماز کی صحت پر مقتدیوں کی نمازوں کی درستگی موقوف ہے، بلکہ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ اپنی عملی زندگی میں بھی امام اپنے مقتدیوں کا ضامن ہے، اگر کوئی اس کے اچھے اخلاق و اعمال سے متاثر ہو کر اچھے راستے کو اپناتا ہے تو اس بندے کے ساتھ امام بھی ماجور ہوگا، جبکہ اگر کوئی شخص اس کی غلط نقل و حرکت کی وجہ سے دین اور مسجد سے متنفر ہو جاتا ہے تو اس کا بھی ذمے دار وہی ہوگا۔ بہر کیف یہ بے حد ضروری ہے کہ ائمہ اور مقتدی دونوں اپنے اپنے مطلوبہ کرداروں کو ادا کریں، یہ عمل ہمارے معاشرتی نظام کو بہتری کی طرف لے جانے میں کلیدی رول ادا کر سکتا ہے۔

❍❖❍

احکام رمضان المبارک ومسائل زکوٰۃ

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، سابق مفتی اعظم دارالعلوم دیوبند

رمضان المبارک کے روزے رکھنا اسلام کا تیسرا فرض ہے۔ جو اِس کے فرض ہونے کا انکار کرے مسلمان نہیں رہتا اور جو اِس فرض کو ادا نہ کرے وہ سخت گناہ گار فاسق ہے۔

روزہ کی نیت: نیت کہتے ہیں دل کے قصد وارادہ کو، زبان سے کچھ کہے یا نہ کہے۔

نیت شرط ہے: اگر روزہ کا ارادہ نہ کیا اور تمام دن کچھ کھایا پیا نہیں تو روزہ نہ ہوگا۔

مسئلہ: رمضان کے روزے کی نیت رات سے کرلینا بہتر ہے اور رات کو نہ کی ہو تو دن کو بھی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ پہلے تک کرسکتا ہے؛ بشرطیکہ کچھ کھایا پیا نہ ہو۔

جن چیزوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے:

- کان اور ناک میں دوا ڈالنا۔
- قصداً منہ بھر قے کرنا۔
- کلی کرتے ہوئے حلق میں پانی چلا جانا۔
- عورت کو چھونے وغیرہ سے انزال ہوجانا۔
- رات سمجھ کر صبح صادق کے بعد سحری کھالی۔
- کوئی ایسی چیز نگل جانا جو عادۃً کھائی نہیں جاتی، جیسے لکڑی، لوہا، کچا گیہوں کا دانہ وغیرہ۔
- لوبان یا عود وغیرہ کا دھواں قصداً ناک یا حلق میں پہنچانا، بیڑی، سگریٹ، حقہ پینا اسی حکم میں ہیں۔
- بھول کر کھاپی لیا اور یہ خیال کیا کہ اس سے روزہ ٹوٹ گیا ہوگا پھر قصداً کھاپی لیا۔
- دن باقی تھا؛ مگر غلطی سے یہ سمجھ کر کہ آفتاب غروب ہوگیا ہے، روزہ افطار کرلیا۔

تنبیہ: اِن سبھوں سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے، مگر صرف قضا واجب ہوتی ہے، کفارہ لازم نہیں ہوتا۔

- جان بوجھ کر بی بی سے صحبت کرنے یا کھانے پینے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے قضا بھی لازم ہوتی ہے اور کفارہ بھی۔

کفارہ: ایک غلام آزاد کرے ورنہ ساٹھ روزے متواتر رکھے، بیچ میں ناغہ نہ ہو ورنہ پھر شروع سے ساٹھ روزے پورے کرنے پڑیں گے، اور اگر روزہ کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو دونوں وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاوے۔ آج کل شرعی غلام یا باندی کہیں نہیں ملتے؛ اس لیے آخری دو صورتیں متعین ہیں۔

وہ چیزیں جن سے روزہ ٹوٹتا نہیں؛ مگر مکروہ ہو جاتا ہے:

- بلاضرورت کسی چیز کو چبانا، نمک وغیرہ چکھ کر تھوک دینا، ٹوتھ پیسٹ، منجن، کوئلہ سے دانت صاف کرنا۔
- تمام دن حالت جنابت میں بغیر غسل کیے رہنا۔
- فصد کرانا، کسی مریض کیلئے اپنا خون دینا جو آج کل ڈاکٹروں میں رائج ہے۔
- غیبت یعنی کسی کی پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا۔
- روزہ میں لڑنا جھگڑنا، گالی دینا خواہ انسان کو ہو یا کسی بے جان چیز کو یا جاندار کو ہے۔

وہ چیزیں جن سے روزہ نہیں ٹوٹتا اور مکروہ بھی نہیں ہوتا:

- مسواک کرنا۔
- گرمی اور پیاس کی وجہ سے غسل کرنا۔
- خوشبو سونگھنا۔
- حلق میں پانی ڈالنا یا بلاقصد چلا جانا۔
- بھول کر کھانا پینا۔
- کسی قسم کا انجکشن یا ٹیکہ لگوانا۔
- سر یا مونچھوں پر تیل لگانا۔
- سوتے ہوئے احتلام ہو جانا۔
- آنکھوں میں دوا، یا سُرمہ ڈالنا۔
- خود بخود قے آجانا۔
- دانتوں میں سے خون نکلے؛ مگر حلق میں نہ جائے تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔
- اگر خواب میں یا صحبت سے غسل کی حاجت ہوگئی اور صبح صادق ہونے سے پہلے غسل نہیں کیا اور اسی حالت میں روزہ کی نیت کر لی تو روزہ میں خلل نہیں آیا۔

وہ عذر جن سے رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہوتی ہے:

- بیماری کی وجہ سے روزہ کی طاقت نہ ہو، یا مرض بڑھنے کا شدید خطرہ ہو تو روزہ نہ رکھنا جائز ہے، بعد رمضان اس کی قضا لازم ہے۔
- جو عورت حمل سے ہو اور روزہ میں بچہ کو یا اپنی جان کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔

- جوعورت اپنے یا کسی غیر کے بچہ کو دودھ پلاتی ہے، اگر روزہ سے بچہ کو دودھ نہیں ملتا، تکلیف پہنچتی ہے تو روزہ نہ رکھے، بعد میں قضا کرے۔
- مسافر شرعی (جو کم از کم اڑتالیس میل یعنی تقریباً ۷۸ کیلومیٹر کے سفر کی نیت پر گھر سے نکلا ہو) اس کیلئے اجازت ہے کہ روزہ نہ رکھے، پھر اگر کچھ تکلیف و دِقت نہ ہو تو افضل یہ ہے کہ سفر ہی میں روزہ رکھ لے اگر خود اپنے آپ کو یا اپنے ساتھیوں کو اس سے تکلیف ہو تو روزہ نہ رکھنا ہی افضل ہے۔
- بحالت روزہ سفر شروع کیا تو اس روزہ کا پورا کرنا ضروری ہے اور اگر کچھ کھانے پینے کے بعد سفر سے وطن واپس آ گیا تو باقی دن کھانے پینے سے احتراز کرے، اور اگر ابھی کچھ کھایا پیا نہیں تھا کہ وطن میں ایسے وقت واپس آ گیا جب کہ روزہ کی نیت ہوسکتی ہو یعنی زوال سے ڈیڑھ گھنٹہ قبل تو اس پر لازم ہے کہ روزہ کی نیت کرلے۔
- کسی کو قتل کی دھمکی دیکر روزہ توڑنے پر مجبور کیا جائے تو اس کیلئے توڑ دینا جائز ہے پھر قضا کرلے۔
- کسی بیماری یا بھوک پیاس کا اتنا غلبہ ہو جائے کہ کسی مسلمان دیندار ماہر طبیب یا ڈاکٹر کے نزدیک جان کا خطرہ لاحق ہو تو روزہ توڑ دینا جائز؛ بلکہ واجب ہے اور پھر اس کی قضا لازم ہوگی۔
- عورت کیلئے ایام حیض میں اور بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون آتا ہے یعنی نفاس اس کے دوران روزہ رکھنا جائز نہیں۔ بیمار، مسافر، حیض ونفاس والی عورت جن کیلئے رمضان میں روزہ رکھنا اور کھانا پینا جائز ہے ان کو بھی لازم ہے کہ رمضان کا احترام کریں، سب کے سامنے کھاتے پیتے نہ پھریں۔

روزہ کی قضا:

- کسی عذر سے روزہ قضا ہو گیا تو جب عُذر جاتا رہے جلد ادا کرلینا چاہیے۔ زندگی اور طاقت کا بھروسہ نہیں، قضا روزوں میں اختیار ہے کہ متواتر رکھے یا ایک ایک دو دو کر کے رکھے۔
- اگر مسافر سفر سے لوٹنے کے بعد یا مریض تندرست ہونے کے بعد اتنا وقت نہ پائے کہ جس میں قضا شدہ روزے ادا کرے تو قضا اس کے ذمہ لازم نہیں۔ سفر سے لوٹنے اور بیماری سے تندرست ہونے کے بعد جتنے دن ملیں، اتنے ہی کی قضا لازم ہوگی۔

سحری:

- روزہ دار کو آخر رات میں صبح صادق سے پہلے پہلے سحری کھانا مسنون اور باعثِ برکت وثواب ہے۔
- نصف شب کے بعد جس وقت بھی کھائیں سحری کی سنت ادا ہو جائے گی؛ لیکن بالکل آخر شب میں کھانا افضل ہے۔

- اگر مؤذن نے صبح سے پہلے اذان دے دی تو سحری کھانے کی ممانعت نہیں؛ جب تک صبح صادق نہ ہوجائے۔
- سحری سے فارغ ہوکر روزہ کی نیت دل میں کر لینا کافی ہے اور زبان سے بھی یہ الفاظ کہہ لے تو اچھا ہے: ''بِصَوْمِ غَدٍ نَّوَیْتُ مِنْ شَھْرِ رَمَضَانَ''

اِفطاری

- آفتاب کے غروب ہونے کا یقین ہوجانے کے بعد افطار میں دیر کرنا مکروہ ہے، ہاں جب اَبر وغیرہ کی وجہ سے اشتباہ ہوتو دو چار منٹ انتظار کر لینا بہتر ہے اور تین منٹ کی احتیاط بہر حال کرنا چاہیے۔
- کھجور اور خرما سے افطار کرنا افضل ہے اور کسی دوسری چیز سے افطار کریں تو اس میں بھی کوئی کراہت نہیں۔
- افطار کے وقت یہ دُعا مسنون ہے ''اَللّٰھُمَّ لَکَ صُمْتُ وَعَلٰی رِزْقِکَ اَفْطَرْتُ '' اور افطار کے بعد یہ دعا پڑھے: ''ذَھَبَ الظَّمَاءُ وَابْتَلَّتِ الْعُرُوْقُ وَثَبَتَ الْاَجْرُاِنْ شَآءَ اللّٰهُ''

تراویح:

- رمضان المبارک میں عشاء کے فرض اور سنت کے بعد بیس رکعت سنت مؤکدہ ہے۔
- تراویح کی جماعت سنت علی الکفایہ ہے۔ محلّہ کی مسجد میں جماعت ہوتی ہو اور کوئی شخص علیحدہ اپنے گھر میں اپنی تراویح پڑھ لے تو سنت ادا ہوگئی، اگر چہ مسجد اور جماعت کے ثواب سے محروم رہا اور اگر محلّہ ہی میں جماعت نہ ہوئی تو سب کے سب ترک سنت کے گنہگار رہوں گے۔
- تراویح میں پورا قرآن مجید ختم کرنا بھی سنت ہے۔ کسی جگہ حافظِ قرآن سنانے والا نہ ملے یا ملے؛ مگر سنانے پر اجرت و معاوضہ طلب کرے تو چھوٹی سورتوں سے نماز تراویح ادا کریں، اُجرت دے کر قرآن نہ سنیں؛ کیوں کہ قرآن سنانے پر اجرت لینا اور دینا حرام ہے۔
- اگر ایک حافظ ایک مسجد میں بیس رکعت پڑھ چکا ہے، اس کو دوسری مسجد میں اسی رات تراویح پڑھنا درست نہیں۔
- جس شخص کی دو چار رکعت تراویح کی رہ گئی ہو تو جب امام وتر کی جماعت کرائے اس کو بھی جماعت میں شامل ہوجانا چاہیے، اپنی باقی ماندہ تراویح بعد میں پوری کرے۔
- قرآن کو اس قدر جلد پڑھنا کہ حروف کٹ جائیں بڑا گناہ ہے، اس صورت میں نہ امام کو ثواب ہوگا، نہ مقتدی کو۔ جمہور علماء کا فتویٰ یہ ہے کہ نابالغ کو تراویح میں امام بنانا جائز نہیں۔

اِعتکاف

◄ اعتکاف اس کو کہتے ہیں کہ اعتکاف کی نیت کر کے مسجد میں رہے اور سوائے ایسی حاجات ضروریہ کے جو مسجد میں پوری نہ ہو سکیں (جیسے پیشاب، پاخانہ کی ضرورت یا غسل واجب اور وضو کی ضرورت) مسجد سے باہر نہ جائے۔

◄ رمضان کے عشرۂ اخیر میں اعتکاف کرنا سنت موکدہ علی الکفایہ ہے۔یعنی اگر بڑے شہروں کے محلّہ میں اور چھوٹے دیہات کی پوری بستی میں کوئی بھی اعتکاف نہ کرے تو سب کے اوپر ترکِ سنت کا وبال رہتا ہے اور کوئی ایک بھی محلّہ میں اعتکاف کرے تو سب کی طرف سے سنت ادا ہو جاتی ہے۔

◄ بالکل خاموش رہنا اعتکاف میں ضروری نہیں؛ بلکہ مکروہ ہے؛ البتہ نیک کلام کرنا اور لڑائی جھگڑے اور فضول باتوں سے بچنا چاہیے۔

◄ اعتکاف میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں، نماز، تلاوت یا دین کی کتابوں کا پڑھنا پڑھانا یا جو عبادت دل چاہے کرتا رہے۔

◄ جس مسجد میں اعتکاف کیا گیا ہے، اگر اس میں جمعہ نہیں ہوتا، تو نماز جمعہ کے لیے اندازہ کر کے ایسے وقت مسجد سے نکلے جس میں وہاں پہنچ کر سنتیں ادا کرنے کے بعد خطبہ سن سکے۔اگر کچھ زیادہ دیر جامع مسجد میں لگ جائے، جب بھی اعتکاف میں خلل نہیں آتا۔

◄ اگر بلا ضرورت طبعی شرعی تھوڑی دیر کو بھی مسجد سے باہر چلا جائے گا تو اعتکاف جاتا رہے گا، خواہ عمداً نکلے یا بھول کر۔اس صورت میں اعتکاف کی قضا کرنا چاہیے۔

(۷) اگر آخر عشرہ کا اعتکاف کرنا ہو تو ۲۰ر تاریخ کو غروبِ آفتاب سے پہلے مسجد میں چلا جائے اور جب عید کا چاند نظر آجائے تب اعتکاف سے باہر ہو۔

◄ غسل جمعہ یا محض ٹھنڈک کیلئے غسل کے واسطے مسجد سے باہر نکلنا مُعتکف کو جائز نہیں۔

شبِ قدر

چونکہ اِس اُمت کی عمریں بہ نسبت پہلی اُمتوں کے چھوٹی ہیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ایک رات ایسی مقرر فرمادی ہے کہ جس میں عبادت کرنے کا ثواب ایک ہزار مہینہ کی عبادت سے بھی زیادہ ہے؛ لیکن اس کو پوشیدہ رکھا؛ تاکہ لوگ اس کی تلاش میں کوشش کریں اور ثواب بے حساب پائیں۔رمضان کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر ہونے کا زیادہ احتمال ہے یعنی ۲۱ویں، ۲۳ویں، ۲۵ویں، ۲۷ویں، ۲۹ویں شب۔اور ۲۷ویں شب میں سب سے زیادہ احتمال ہے۔اِن راتوں میں بہت محنت سے عبادت اور

توبہ واستغفار اور دعا میں مشغول رہنا چاہیے۔اگر تمام رات جاگنے کی طاقت یا فرصت نہ ہو تو جس قدر ہو سکے جاگے اور نفل نماز یا تلاوتِ قرآن یا ذکر و تسبیح میں مشغول رہے اور کچھ نہ ہو سکے تو عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے ادا کرنے کا اہتمام کرے۔حدیث میں آیا ہے کہ یہ بھی رات بھر جاگنے کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

ان راتوں کو صرف جلسوں تقریروں میں صرف کر کے سو جانا بڑی محرومی ہے،تقریریں ہر رات ہو سکتی ہیں، عبادت کا یہ وقت پھر ہاتھ نہ آئے گا۔البتہ جو لوگ رات بھر عبادت میں جاگنے کی ہمت کریں، وہ شروع میں کچھ وعظ سن لیں، پھر نوافل اور دعا میں لگ جائیں تو دُرست ہے۔

ترکیب نمازِ عید:

اول زبان یا دل سے نیت کرو کہ دو رکعت نمازِ عید واجب مع چھ زائد تکبیروں کے پیچھے اس امام کے۔ پھر ''اللّٰہ اکبر'' کہہ کر ہاتھ باندھ لو اور ''سُبْحَانَکَ اللّٰھم'' پڑھو پھر دوسری اور تیسری تکبیر میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی میں باندھ لو اور جس طرح ہمیشہ نماز پڑھتے ہو پڑھو۔دوسری رکعت میں سورت کے بعد جب امام تکبیر کہے تم بھی تکبیر کہہ کر پہلی، دوسری اور تیسری دفعہ میں ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دو اور چوتھی تکبیر کہہ کر بلا ہاتھ اُٹھائے رکوع میں چلے جاؤ۔باقی نماز حسب دستور تمام کرو۔خطبہ سُن کر واپس جاؤ۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ

مسائل زکوٰۃ: ''وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ''

مسئلہ:اگر کسی کی ملکیت میں ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا ہے یا اس میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر روپیہ یا نوٹ ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔نقد روپیہ بھی سونے چاندی کے حکم میں ہے۔(شامی) اور سامانِ تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔

مسئلہ: کارخانے اور مِل وغیرہ کی مشینوں پر زکوٰۃ فرض نہیں؛لیکن ان میں جو مال تیار ہوتا ہے اس پر زکوٰۃ فرض ہے،اسی طرح جو خام مال کارخانہ میں سامان تیار کرنے کیلئے رکھا ہے اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے۔(درمختار وشامی)

مسئلہ: سونے چاندی کی ہر چیز پر زکوٰۃ واجب ہے،زیور، برتن؛حتیٰ کہ سچا گوٹہ،ٹھپہ،اصلی زری،کسی کے پاس کچھ روپیہ، کچھ سونا یا چاندی اور کچھ مالِ تجارت ہے؛لیکن علیحدہ علیحدہ بقدر نصاب ان میں سے کوئی چیز بھی نہیں ہے تو سب کو ملا کر دیکھیں اگر اس مجموعہ کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس سے کم رہے تو زکوٰۃ فرض نہیں۔(ہدایہ)

مسئلہ: ملوں اور کمپنیوں کے شیئرز پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛ بشرطیکہ شیئرز کی قیمت بقدر نصاب ہو یا اس کے علاوہ دیگر مال مل کر شیئر ہولڈر مالک نصاب بن جاتا ہو؛ البتہ کمپنیوں کے شیئرز کی قیمت میں؛ چونکہ مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ کی لاگ بھی شامل ہوتی ہے جو درحقیقت زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہے؛ اس لیے اگر کوئی شخص کمپنی سے دریافت کر کے جس قدر رقم اس کی مشینری اور مکان اور فرنیچر وغیرہ میں لگی ہوئی ہے، اُس کو اپنے حصے کے مطابق شیئرز کی قیمت میں سے کم کر کے باقی کی زکوٰۃ دے تو یہ بھی جائز اور درست ہے۔ سال کے ختم پر جب زکوٰۃ دینے لگے اس وقت جو شیئرز کی قیمت ہوگی وہی لگے گی۔ (درمختار وشامی)

مسئلہ: پراویڈنٹ فنڈ جو ابھی وصول نہیں ہوا اُس پر بھی زکوٰۃ فرض ہے؛ لیکن ملازمت چھوڑنے کے بعد جب اس فنڈ کا روپیہ وصول ہوگا، اس وقت اس روپیہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی، بشرطیکہ یہ رقم بقدرِ نصاب ہو یا دیگر مال کے ساتھ مل کر بقدر نصاب ہو جاتی ہو وصولیابی سے قبل کی زکوٰۃ پراویڈنٹ کی رقم پر واجب نہیں، یعنی پچھلے سالوں کی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

مسئلہ: صاحب نصاب اگر کسی سال کی زکوٰۃ پیشگی دے دے تو یہ بھی جائز ہے؛ البتہ اگر بعد میں سال پورا ہونے کے اندر مال بڑھ گیا تو اس بڑھے ہوئے مال کی زکوٰۃ علیحدہ دینا ہوگی۔ (درمختار وشامی)

جس قدر مال ہے اس کا چالیسواں حصہ دینا فرض ہے یعنی ڈھائی فیصد مال دیا جائے گا۔ سونے، چاندی اور مال تجارت کی ذات پر زکوٰۃ فرض ہے اس کا دے، اگر قیمت دے تو یہ بھی جائز ہے؛ مگر قیمتِ خرید نہ لگے گی، زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت جو قیمت ہوگی اس کا ۴۰/واں دینا ہوگا۔ (درمختار، ج:۲)

مسئلہ: ایک ہی فقیر کو اتنا مال دے دینا کہ جتنے مال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، مکروہ ہے؛ لیکن اگر دے دیا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اور اس سے کم دینا بغیر کراہت کے جائز ہے۔ (ہدایہ، ج:۱)

مسئلہ: زکوٰۃ ادا ہونے کیلئے یہ شرط ہے کہ جو رقم کسی مستحقِ زکوٰۃ کو دی جائے وہ اس کی کسی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

مسئلہ: ادائیگی زکوٰۃ کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ زکوٰۃ کی رقم کسی مستحق زکوٰۃ کو مالکانہ طور پر دے دی جائے، جس میں اس کو ہر طرح کا اختیار ہو، اس کے مالکانہ قبضہ کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

○❖○

زکوٰۃ کے مصارف اور موجودہ حالات

حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی سکریٹری مسلم پرسنل لاء بورڈ

زکوٰۃ کے پانچویں مصرف کو قرآن نے ''وفی الرقاب'' کے لفظ سے تعبیر کیا ہے، ''رقبہ'' کے معنی گردن کے ہیں، یعنی اگر کسی کی گردن پھنسی ہوئی ہو تو اس کو چھڑایا جائے، یہ عربی زبان کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے ''غلام'' مراد ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ غلام کی مدد کی جائے کہ وہ اپنے آپ کو آزاد کرا سکیں، یا ان کو خرید کر آزاد کر دیا جائے، اسلام بنیادی طور پر انسانوں کو غلام بنانے یا غلام بنائے رکھنے کا قائل نہیں ہے؛ لیکن رسول اللہ ﷺ جس دور میں تشریف لائے، اس وقت بیک جنبشِ قلم غلامی کو ختم کرنا ممکن نہیں تھا؛ اس لئے آپ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی، مختلف ایسی تدبیریں مقرر کیں کہ غلاموں اور باندیوں کی آزادی کا راستہ فراہم ہو جائے، جن غلاموں کو آزادی حاصل کرنے میں پیسوں کی ضرورت تھی، ان کی مدد کرنے کی تلقین فرمائی، جنگوں میں جو لوگ قید ہو کر آتے تھے، عام طور پر انہیں غلام بنا لیا جاتا تھا، آپ نے ان کو کبھی یوں ہی رہا کر دیا، کبھی فدیہ لے کر، کچھ لوگوں کو جنگی قیدیوں کے تبادلہ میں رہا فرمایا اور بہت کم قیدی تھے جن کو غلام اور باندی بنایا گیا؛ کیونکہ ان کو آزاد کر دینا مصلحت کے خلاف تھا؛ بہر حال ان بالواسطہ تدابیر کا اثر یہ ہوا کہ غلامی کا جو رواج نامعلوم تاریخ سے موجود تھا، وہ دنیا سے ختم ہو گیا؛ البتہ اب بھی مغرب نے غلام بنانے کا نظام باقی رکھا ہے، پہلے افراد کو غلام بنایا جاتا تھا اور اب وہ پوری پوری قوم کو غلام بناتے ہیں۔

ہمارے موجودہ معاشرہ میں غلامی سے ملتی جلتی بلکہ اس سے بھی بدترین بعض شکلیں پائی جاتی ہیں، اور وہ ہیں جیل کی کوٹھریوں میں بند لوگ، ان میں بہت سے وہ مسلمان نوجوان ہیں جن کو بالکل جھوٹے مقدمات میں پھنسایا گیا ہے، ان کے پسماندگان کا تکفل اور مقدمات کی چارہ جوئی میں ان کا تعاون مسلمانوں کی اجتماعی ذمہ داری ہے، اسی طرح بہت سے مسلمان جرمانے کی معمولی مقدار پانچ دس ہزار ادا نہ کرنے کی وجہ سے جیل کی سلاخوں میں پڑے ہوئے ہیں، ان غریب محتاج مسلمان قیدیوں کی زکوٰۃ سے مدد کرنی چاہئے؛ کیوں کہ وہ بھی ''رقاب'' کے درجہ میں ہیں؛ بلکہ جو لوگ جیل میں وقت گذار کر اور باعزت طور پر رہا ہو کر باہر آتے ہیں، ان کا بیان ہے کہ بہت سے غیر مسلم بھائی بھی جرمانہ کی تھوڑی سی رقم نہ ادا کرنے کی وجہ سے جیل میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ عمومی طور پر دَلِت ہیں؛ کیوں کہ مسلمانوں کے بعد سب سے مظلوم طبقہ ان ہی لوگوں کا ہے، زکوٰۃ کی رقم تو

مسلمانوں پر ہی خرچ کی جاسکتی ہے؛ لیکن عطیات کی رقم کے ذریعہ ہمیں اُن پریشان حال بھائیوں کی طرف بھی مدد کا ہاتھ بڑھانا چاہئے اور اسلام نے انسانی بنیاد پر حسن سلوک کی جو تعلیم دی ہے، اس کا عملی نمونہ پیش کرنا چاہئے، خلیجی ملکوں میں بھی بہت سے مسلم نوجوان جیلوں میں سڑ رہے ہیں، ان میں اکثر و بیشتر ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی میں یا اکسیڈنٹ کی بنیاد پر ہلاکت کی وجہ سے گرفتار ہوئے، جو مسلمان خلیجی ممالک میں کام کر رہے ہوں، ان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے ان بھائیوں کی خبر گیری کریں اور ان کے مسائل حل کرنے میں فراخ دلی سے کام لیں۔ البتہ قیدی ہندوستان میں ہوں یا بیرونِ ملک میں، جو لوگ واقعی سنگین جرائم کے مرتکب ہیں اور قتل، آبرو ریزی، رہزنی اور ناجائز قبضہ وغیرہ کی وجہ سے گرفتار کئے گئے ہیں، ان کے ساتھ ہمدردی مظلوموں کے ساتھ ناانصافی ہے، ان کے قرار واقعی سزا پانے میں ہی سماج کی بھلائی ہے، اس لئے ان کی رہائی کی کوشش اور اس کیلئے مدد مناسب نہیں؛ ہاں، ان کے مجبور و مفلس پسماندگان کی ضروریات پوری کرنے میں مدد کی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کا چھٹا مصرف ''غارمین'' ہیں، غارمین سے مراد وہ مقروض ہیں، جن کے اندر قرض ادا کرنے کی استطاعت نہیں ہو، اور قرض دینے والے قرض معاف کرنے کو تیار نہ ہوں۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک صاحب کے پھلوں کی فصل متاثر ہوگئی اور قرض بہت زیادہ ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا: انھیں صدقہ دو؛ چنانچہ صحابہ نے انھیں صدقہ دیا: ''**فقال رسول اللّٰہ صلی اللہ علیہ وسلم تصدقوا علیہ فتصدق الناس علیہ**''۔ (سنن ابن ماجہ) البتہ اس سلسلہ میں دو باتیں پیش نظر رکھنی چاہئیں، ایک یہ کہ مقروض اس وقت زکوٰۃ کا مستحق ہے کہ اگر اس کی املاک سے اس کا سارا قرض ادا کر دیا جائے تو وہ نصاب کے بقدر مال کا مالک باقی نہ رہے، ایسے شخص کیلئے یہ حکم ہے کہ پہلے تو وہ بنیادی ضرورت کے علاوہ املاک فروخت کر کے قرض ادا کرنے کی کوشش کرے؛ لیکن اگر وہ کافی نہ ہو سکے اور بقیہ قرض کو قرض دینے والے معاف کرنے کو تیار نہ ہوں تو ان قرضوں کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی رقم سے ان کا تعاون کیا جاسکتا ہے، دوسری بات وہ ہے جو مشہور مفسر علامہ قرطبی نے لکھی ہے کہ یہ بھی ضروری ہے کہ اس نے جائز کاموں کیلئے قرض لیا ہو، اگر ناجائز کام کیلئے قرض لیا ہو تو اس کی مدد نہیں کرنی چاہئے، سوائے اس کے کہ وہ توبہ کرلے، توبہ کرا کر اور آئندہ اس سے بچنے کا عہد لے کر پھر اس کی مدد کی جاسکتی ہے۔ (تفسیر قرطبی: ۳۸۱/۸)

موجودہ دور میں اس کی ایک مثال بینک سے لئے جانے والے سودی قرض ہیں، ایسے لوگوں کا اسی وقت تعاون کیا

جائے جب ان سے توبہ کرالی جائے، اور بہتر ہے کہ یہ توبہ تحریری طور پر ہو، افسوس کہ بعض لوگ اس طرح قرض لیتے ہیں کہ انھوں نے قرض کو آمدنی کا ایک ذریعہ سمجھ لیا ہے، وہ قرض کے ذریعہ اپنی فضول خرچی کے جذبات کی تسکین کرتے ہیں اور غیر ضروری چیزیں خرید خرید کر اپنے اوپر قرض کا بوجھ بڑھاتے جاتے ہیں، پھر لوگوں کے سامنے دستِ سوال پھیلاتے ہیں، ایسے لوگ تنبیہ اور اصلاح کے مستحق ہیں نہ کہ تعاون کے۔

ساتواں مصرف ''فی سبیل اللہ'' ہے۔ فی سبیل اللہ کے معنی ہیں: اللہ کے راستہ میں جدوجہد کرنے والے، اگرچہ اس کا معنی عام ہے؛ لیکن اصطلاح میں اس سے مجاہدین مراد ہیں، جیسے صلوٰۃ کے لغوی معنی دُعاء کے ہیں؛ لیکن اصطلاح میں اس سے نماز مراد ہے نہ کہ دُعاء، اسی طرح فی سبیل اللہ میں یوں تو ہر کارِ خیر شامل ہے؛ لیکن یہاں اس سے جہاد مراد ہے؛ کیوں کہ قرآن وحدیث میں عام طور پر یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے؛ اسی لئے جمہور علماء کی رائے یہی ہے اور شروع سے رہی ہے کہ اس سے مجاہدین مراد ہیں، ظاہر ہے کہ ہندوستان میں اس مصرف کا کوئی محل نہیں، بعض حضرات کا خیال ہے کہ اس مد کو ہر طرح کے کارِ خیر میں استعمال کیا جاسکتا ہے، جیسے: ہاسپٹل، کتابوں کی طباعت، دعوتی کوششیں، ٹی وی چینل وغیرہ، یہ نقطہ نظر جمہور فقہاء ومحدثین کی رائے کے خلاف ہے، اس پر قرآن وحدیث کی کوئی واضح دلیل موجود نہیں، اور غور کیجئے کہ اگر اس مصرف میں اس درجہ عموم ہوتا تو زکوٰۃ کے آٹھ مصارف کو بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہی ایک صورت ان تمام مصارف کو شامل ہوجاتی، صرف لغوی معنی کی بنیاد پر اس لفظ کے مفہوم میں اس درجہ کی وسعت ایسے ہی ہوگی کہ جیسے کوئی ''صلوٰۃ'' کے لفظ کی وجہ سے نماز کی ادائیگی کے لئے دُعاء کو کافی سمجھ لے۔ ہاں، البتہ مولفۃ القلوب اور فی سبیل اللہ کے تذکرہ سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ زکوٰۃ کے دو بنیادی مقاصد ہیں، ایک: غرباء کی ضرورت کو پورا کرنا، دوسرے: اسلام کی حفاظت وسربلندی؛ لہٰذا جو اشخاص یا ادارے دین کی سربلندی کا کام کرتے ہوں، ان کو اس لئے زکوٰۃ دینا کہ وہ اس کام میں شامل محتاج لوگوں کی اعانت کریں، زیادہ بہتر ہے، جیسا کہ آج کل دینی درسگاہیں علم دین حاصل کرنے والے طلباء وطالبات پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرتے ہیں اور انھیں آئندہ اسلام کی اشاعت وحفاظت کی وسیع تر خدمت کے لئے تیار کرتے ہیں، امام غزالیؒ وغیرہ نے بھی اس کی صراحت کی ہے، یا ان دینی تنظیموں کی جو خدمت خلق کا کام کرتی ہیں اور مستحقین زکوٰۃ کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنادیتی ہیں۔

زکوٰۃ کا آٹھواں مصرف ''مسافر'' ہیں، جن کو عربی زبان میں ''ابن سبیل'' بھی کہا جاتا ہے اور قرآن مجید

نے بھی مصارفِ زکوٰۃ کے ذیل میں ان کیلئے یہی لفظ استعمال کیا ہے، انسان چاہے اپنے وطن میں صاحب ثروت ہو؛ لیکن بعض دفعہ سفر میں پیسے پیسے کامحتاج ہوجاتا ہے، اگر واقعی کوئی شخص ایسی صورت حال سے دوچار ہو اوراس کیلئے اپنے گھر سے فوری طور پر رقم منگوانی ممکن نہ ہوتو اتنی مقدارِ زکوٰۃ سے اس کا تعاون کیا جاسکتا ہے کہ وہ گھر پہنچ جائے؛ لیکن آج کل بعض لوگوں نے اس کو پیشہ بنا رکھا ہے، یہاں تک کہ ایسا بھی ہوا ہے کہ لوگوں نے دھوکہ کا خطرہ محسوس کرتے ہوئے روپیہ کے بجائے ٹکٹ بنا کر دے دیا؛ لیکن مصنوعی مسافر نے ٹکٹ واپس کرکے پیسے واپس لے لئے، موجودہ دور میں اے، ٹی، ایم اور بینک کا نظام کچھ ایسا سہولت بخش ہوگیا ہے کہ لمحوں میں ایک جگہ سے دوسری جگہ رقم پہنچ جاتی ہے، نیز مسافر جو پتہ بتاتا ہو،فون کے ذریعہ اس کے بارے میں معلومات بھی حاصل کی جاسکتی ہیں؛اس لئے مناسب تحقیق کے بغیر ایسے لوگوں کو زکوٰۃ کی رقم نہیں دینی چاہئے۔

یہ تو وہ مصارف ہیں جن میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کی جاسکتی ہے؛ لیکن بعض ترجیحی مصارف ہیں، ان میں سے دینی مدارس اور دینی اداروں کا ذکر پہلے آچکا ہے، دوسرا ترجیحی مصرف اپنے قرابت دار اور رشتہ دار ہیں، رشتہ داروں کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اُصول یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی اور ان کے اوپر کا سلسلہ ہوتو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، اسی طرح فروع یعنی اولاد، اولاد کی اولاد اور ان کے نیچے کے سلسلہ کو بھی زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی، اسی طرح شوہر وبیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، باقی تمام رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، جیسے: بھائی، بہن، چچا، پھوپھی، ماموں، خالہ، ساس، سسر، سالے اور سالی، ان سبھوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اور ان کو زکوٰۃ دینے میں دُہرا اجر ہے، ایک: زکوٰۃ کی ادائیگی کا، دوسرے: صلہ رحمی کے تقاضہ کو پورا کرنے کا، یہ حکم صرف زکوٰۃ ہی کیلئے نہیں ہے؛ بلکہ تمام صدقات کیلئے ہے، اور اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ پوری کی پوری زکوٰۃ اپنے رشتہ دار ہی کو دے دی جائے؛ بلکہ جو مصارف موجود ہیں، ان سب پر خرچ کرنے کی کوشش کی جائے؛ البتہ مستحق زکوٰۃ رشتہ داروں کو خصوصی اہمیت دی جائے۔

تیسری ترجیح پڑوسیوں کی ہوسکتی ہے-''زکوٰۃ پڑوسیوں پر خرچ کی جائے'' خاص اس سلسلہ میں تو غالباً رسول اللہ ﷺ کی کوئی ہدایت منقول نہیں ہے؛ لیکن عمومی طور پر پڑوسیوں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا گیا ہے، اور حسن سلوک کی ایک شکل زکوٰۃ کے ذریعہ اعانت بھی ہے؛ اس لئے پڑوسی اور قرب وجوار کے لوگوں کو زکوٰۃ میں یاد رکھنا چاہئے؛ لیکن بعض ناسمجھ لوگ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ زکوٰۃ دینی مدارس اور اداروں کو نہ دی جائے،

پڑوسیوں کو ہی دی جائے، یا ایک شہر کی زکوٰۃ اسی شہر میں خرچ ہو، دوسری جگہ خرچ نہ ہو، یہ دین سے ناواقفیت اور اسلام کے آفاقی مزاج سے محرومی کا نتیجہ ہے، ہمارے ملک میں کتنے ہی مدارس اور دینی وملی کام ہیں، جن کی ضروریات کی تکمیل بیرونِ ملک کے تعاون سے ہوتی ہے، اور یہ تعاون قانونی طور پر آتا ہے، پھر بعض ایسے شہر ہیں جس میں مسلمان اصحابِ ثروت، تجار اور صنعت کار بڑے پیمانہ پر زکوٰۃ نکالتے ہیں اور پورے ملک کے دینی کاموں کو وہاں سے غذا حاصل ہوتی ہے، اس سلسلہ میں خاص طور پر ممبئی کا نام لیا جاسکتا ہے تو اگر ہر علاقہ کے لوگ اپنے تعاون کو اپنے شہر تک محدود کر دیں، تو ملک میں پھیلی ہوئی اتنی بڑی ملت کی دینی اور معاشی ضروریات کیسے پوری ہوسکتی ہیں؟ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یمن اور بعض دور دراز کے علاقوں سے زکوٰۃ وصول کر کے مدینہ لائی جاتی تھی اور اس کا بیشتر حصہ اہل مدینہ پر خرچ ہوتا تھا، خلفاء راشدین کے عہد میں بھی عالم اسلامی کے چپہ چپہ سے زکوٰۃ وصول کر کے بیت المال پہنچتی تھی اور بیت المال سے ہر جگہ وہاں کی ضروریات کے لحاظ سے مدد پہنچتی تھی۔ مسلمان ایک آفاقی اُمت اور عالمی خاندان ہیں، جس کو رسول اللہ ﷺ کی نسبت نے آپس میں جوڑ رکھا ہے، اسے اس معاملہ میں کنواں نہیں بننا چاہئے، سمندر بننا چاہئے، سمندر اپنا سینہ جلا کر اور بھاپ جمع کر کے ہواوں کے حوالہ کرتا ہے؛ تاکہ وہ بادل بن کر دُور دُور تک برسے، مسلمانوں کا مزاج یہی ہونا چاہئے کہ ان کا تعاون دُور دُور تک پہنچے اور دین کے ہر چھوٹے بڑے کام میں ان کی شرکت ہو، یہ صحیح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت معاذؓ کو یمن بھیجا تو انھیں نصیحت کی کہ پہلے انھیں ایمان کی دعوت دینا، جب وہ ایمان لے آئیں تو نماز کا حکم دینا اور نماز پڑھنے لگیں تو زکوٰۃ کا حکم دینا، ان کے مالداروں سے زکوٰۃ لینا اور ان ہی کے غریبوں میں تقسیم کر دینا، (بخاری، عن ابن عباسؓ، حدیث نمبر: ۵۹۳۱)

لیکن رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد دعوتی مصلحت کے تحت تھا کہ ان کو یک لخت دین کے تمام احکام کی طرف لانے کے بجائے بتدریج اسلامی تعلیمات کی تلقین کرو؛ تاکہ وہ بوجھ نہ محسوس کریں اور زکوٰۃ لے کر وہیں تقسیم کردو؛ تاکہ کہیں ان کو غلط فہمی نہ ہوجائے کہ اس دین کا مقصد ہم سے پیسہ وصول کرنا ہے؛ تاہم یہ کوئی عمومی حکم نہیں ہے کہ جہاں کی زکوٰۃ ہو، لازماً وہیں خرچ کردی جائے۔ بہر حال زکوٰۃ اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں سے ایک ہے، یہ ایک عظیم الشان عبادت ہے اور اس سے خالق اور مخلوق دونوں کا حق متعلق ہے، اس عبادت کو اہتمام کے ساتھ انجام دینا چاہئے اور تحقیق کے بعد صحیح مصرف تک پہنچانا چاہئے۔ وباللہ التوفیق

صدقہ فطر کی فضیلت!

جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب، جنرل سکریٹری رابطہ مدارس اسلامیہ عربیہ بہار

صدقہ فطر تمام مسلمانوں پر واجب ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ

فَرَضَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ زَکَاۃَ الْفِطْرِ مِنْ رَمَضَانَ، صَاعًا مِنْ تَمْرٍ أَوْ صَاعًا مِنْ شَعِيرٍ، عَلَى الْعَبْدِ وَالْحُرِّ، وَالذَّكَرِ وَالْأُنْثٰى، وَالصَّغِيْرِ وَالْكَبِيرِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ٥

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غلام اور آزاد، مرد اور عورت، چھوٹے اور بڑے سب مسلمانوں پر صدقہ فطر کھجور یا جو کا ایک صاع فرض کیا ہے۔ (بخاری)

اسی طرح حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صدقہ فطر ہر مالدار پر (واجب) ہے، یعنی ہر ایسے شخص پر جس پر زکوٰۃ واجب ہو یا اس پر زکوٰۃ تو واجب نہ ہو لیکن اس کے پاس ضروری اسباب (جیسے گھر، کپڑے اور گھر کا سامان وغیرہ) ہو کہ جتنی قیمت پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ خواہ وہ تجارت کا مال ہو یا نہ ہو اور خواہ اس پر سال گزرے یا نہ گزرے، ایسی صورت میں اس شخص پر صدقہ فطر ادا کرنا واجب ہے۔

صدقہ فطر کی ادائیگی کا افضل وقت عید کی صبح صادق کے بعد اور نماز عید سے پہلے کا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ نماز کی طرف جانے سے پہلے زکوٰۃ فطر ادا کر لی جائے۔ (بخاری)

عن ابن عباس رضی اللّٰہ عنهما قال فرض رسول اللّٰہِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: زکوٰۃالفطر للصائم من اللغو والرفث وطعمة للمساكين فمن اداها قبل الصلاة فهی زکاۃ مقبوله ومن اداها بعد الصلوۃ فهی صدقه من الصدقات ٥(ابن ماجه)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا: کہ حضور ﷺ نے روزہ دار کی، لغویات اور فحش کلامی سے پاکی کیلئے اور مساکین کے کھانے کی فراہمی کیلئے صدقہ فطر کو مقرر فرمایا۔ جو کوئی صدقہ فطر کو نماز سے قبل ادا کرے گا تو وہ مقبول صدقہ ہے اور جو نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے۔

عن جریر رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: صوم شھر رمضان معلق بین السماء والارض ولا یرفع الا بزکاۃ الفطر۔	حضرت جریرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ماہ رمضان کے روزے آسمان اور زمین کے درمیان معلق رہتے ہیں اور صدقہ فطر ادا کئے بغیر بلند نہیں ہوتے۔

مستحق صدقہ فطر: جن کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے ان کو صدقہ فطر بھی دیا جاسکتا ہے۔ جن کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں، انہیں صدقہ فطر بھی نہیں دیا جاسکتا۔

صدقہ فطر کی قضا: اگر عید کے دن صدقہ فطر ادا نہ کر سکے تو بعد میں کبھی بھی صدقہ فطر ذمہ داری سے ساقط نہیں ہوتا بلکہ جب تک ادا نہیں کیا جائے گا واجب رہے گا۔

حضرت ابن عباسؓ کی ایک روایت صحیح حدیث کی کتابوں میں ملتی ہے، جس کے مطابق آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: صدقہ فطر واجب ہے، جو روزے دار کو لغو حرکات اور اخلاق سے گری ہوئی باتوں سے پاک کر دیتا ہے نیز یہ مساکین کے طعام کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ پس جو شخص نماز عید سے پہلے یہ صدقہ ادا کر دے، اس کا صدقہ مقبول ہے۔ نماز عید کے بعد صدقہ فطر ادا نہیں ہوتا، البتہ وہ عام صدقہ شمار ہو جاتا ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص صدقہ فطر ادا نہیں کرتا وہ نماز عید ادا کرنے کیلئے ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ بھٹکے۔

صدقہ فطر کھاتے پیتے لوگوں پر واجب ہے: رمضان کے دوران ادا کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے تاکہ ضرورت مند ماہ مقدس میں اپنی ضروریات پوری کر سکیں۔ صدقہ فطر صرف روزہ داروں پر ہی نہیں، گھر کے مالک کی طرف سے چھوٹے بچوں، غلاموں (آج کے دور میں گھر کے خدام وغیرہ)، عید کے روز گھر میں وارد یا پہلے سے مقیم مہمان یا اسی روز پیدا ہونے والے بچے کی طرف سے بھی صدقہ فطر واجب ہے۔

صدقہ فطر ادا کرنے سے حکم شرعی پر عمل کرنے کا ثواب ملتا ہے: صدقہ فطر روزوں کو کمی کوتاہی سے پاک کرنے کا ذریعہ ہے۔ صدقہ فطر دینے سے عید کے دن ناداروں اور مفلسوں کی کفالت ہو جاتی ہے، اسی لئے اس کی ادائیگی کا صحیح وقت عید الفطر سے پہلے ہے۔ صدقہ وخیرات وہ مال ہے جو اللہ کی رضا کے لئے غریب ومسکین لوگوں کو دیا جاتا ہے۔ ❍❖❍

قرآن کی حفاظت کیلئے اللہ کا حیرت انگیز انتظام

مولانا حذیفہ وستانوی، استاذ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے: ''إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ إِنَّا لَهُ لَحَافِظُوْنَ ''(سورۃ الحجر) ہم نے ہی قرآن کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کریں گے۔ یہ پہلی وہ آسمانی کتاب ہے، جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا، گویا اس کی حفاظت کیلئے یہ وعدہ الٰہی ہے اور قرآن کا اعلان ہے: ''إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ''(سورہ آل عمران: ۹/۳) اللہ کبھی بھی وعدہ خلافی نہیں کرتے۔

بس اللہ نے اپنا یہ وعدہ سچ کر دکھایا۔ اور کتاب اللہ کی حفاظت کا حیرت انگیز انتظام کیا۔ اس طور پر کہ اس کے الفاظ بھی محفوظ، اس کے معانی بھی محفوظ، اس کا رسم الخط بھی محفوظ، اس کی عملی صورت بھی محفوظ، اس کی زبان بھی محفوظ، اس کا ماحول بھی محفوظ، جس عظیم ہستی پر اس کا نزول ہوا اس کی سیرت بھی محفوظ، اور اس کے اولین مخاطبین کی سیَر بھی یعنی زندگیاں بھی محفوظ۔

غرضیکہ اللہ رب العزت نے اس کی حفاظت کیلئے جتنے اسباب و وسائل اور طریقے ہو سکتے تھے، سب اختیار کئے، اور یوں یہ مقدس اور پاکیزہ کتاب ہر لحاظ اور ہر جانب سے مکمل محفوظ ہوگئی۔ الحمدللہ آج چودہ سو انتیس سال گذرنے کے بعد بھی اس میں رتی برابر بھی تغیر و تبدل نہ ہوسکا، لاکھ کوششیں کی گئیں، مگر کوئی ایک کوشش بھی کامیاب اور کارگر ثابت نہ ہوسکی، اور نہ قیامت تک ہوسکتی ہے۔

کتاب الٰہی کی کیسے حفاظت کی گئی؟

ڈاکٹر محمود احمد غازی اپنی کتاب محاضرات حدیث میں تحریر فرماتے ہیں: ''کتاب الٰہی کے تحفظ کیلئے اللہ رب العزت نے دس چیزوں کو تحفظ دیا، یہ دس چیزیں وہ ہیں، جو قرآن پاک کے تحفظ کی خاطر محفوظ کی گئی ہیں''۔

(۱) قرآن کی کا متن یعنی اس کے بعینہ وہ الفاظ جو اللہ رب العزت نے حضرت جبرئیل ﷺ کے واسطہ سے یا وحی کے کسی اور طریق سے نبی آخرالزماں ﷺ پر نازل کئے، آپ ﷺ پر جب وحی نازل ہوتی، تو آپ فوراً کاتبین وحی میں سے کسی سے کتابت کروالیتے، پھر صحابہ نبی کریم ﷺ کی زبانِ اقدس سے بھی اُسے سنتے، اور

جوتحریر کیا ہوا ہوتا، اُسے بھی محفوظ کر لیتے ، اس طرح ۲۳ رسال تک قرآن ، نزول کے وقت ہی لکھا جا تا رہا، صحابہ ﷺ نے اسے حفظ بھی یاد کیا، کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے اس کے حفظ کی بڑی فضیلتیں بیان کی۔ ایک روایت کے مطابق صحابہ ﷺ میں سب سے پہلے حفظِ قرآن مکمل کرنے والے حضرت عثمان ابن عفان ﷺ ہیں۔

دورِ نبوی ﷺ کے بعد دورِ ابی بکر میں حضرت عمر ؓ، اور دیگر صحابہ ؓ کے مشورے سے اس کی تدوین عمل میں آئی، یعنی اس کو یکجا کر لیا گیا اور دورِ عثمانی میں اس کی تنسیخ، عمل میں آئی، یعنی اس کے مختلف نسخے بنا کر کوفہ، بصرہ، شام، مکہ وغیرہ جہاں جہاں مسلمان آباد تھے بھیج دیے گئے، یہ تو تحریری صورت میں حفاظت کا انتظام ہوا، اس کے علاوہ اس کو لفظ بلفظ یاد کرنے کا التزام کیا گیا، وہ الگ۔ اس طرح قرآن سینہ وسفینہ دونوں میں مکمل لفظاً محفوظ ہو گیا، اور یہ سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ آج بھی جاری ہے، قیامت تک جاری رہے گا، انشاء اللہ۔

(۲) جہاں اللہ رب العزت نے اس کے متن کی حفاظت کی، وہیں اس کے معنی ومفہوم اور مراد کی حفاظت کا بھی انتظام کیا، اس لیے کہ صرف الفاظ کا محفوظ ہونا کافی نہیں تھا، کیوں کہ مراد اور معنی اگر محفوظ نہ ہو، تو اس کی تحریف یقینی ہو جاتی ہے، کتب سابقہ کے ساتھ کچھ ایسا ہی ہوا، کیوں کہ اس کے الفاظ اگر چہ کچھ نہ کچھ محفوظ رہے، مگر اس کے معانی ومفہوم تو بالکل محفوظ نہ رہے، اس لیے کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کے اقوال وافعال واعمال کو محفوظ رکھنے کا کوئی انتظام نہ کیا، جس کے نتیجہ میں الفاظ محفوظہ بھی کارگر ثابت نہ ہو سکے، مثلاً عیسائی مذہب ان کا کہنا ہے کہ ہمیں دو اصولوں کی تعلیم دی گئی، اور ہم اس کے علمبر دار ہیں: نمبر ایک عدل وانصاف۔ نمبر دو محبت والفت۔ اگر آپ، ان سے دریافت کریں کہ عدل وانصاف کس کو کہتے ہیں، تو وہ اس کا مفہوم نہیں بیان کر سکتے۔

یہی حال محبت کا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس عدل اور محبت کی پرواہ کیے بغیر لاکھوں نہیں، کروڑوں انسانوں کو عیسائیت کے فروغ کی خاطر قتل کر دیا گیا، اور یہ سلسلہ ابھی تک تھما نہیں۔ اسی طرح یہودیت کی اصل بنیاد اس اصول پر ہے، کہ تم اپنے پڑوسی کیلئے وہی پسند کرو، جو اپنے لیے پسند کرو۔ لیکن اگر آپ یہود کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا، کہ انہوں نے اپنے پڑوسیوں کو جتنا ستایا، اتنا دنیا میں کسی نے اپنے پڑوسیوں کو نہیں ستایا ہوگا، اور اب بھی اس کا سلسلہ جاری ہے، جو اسرائیل کی جارحیت سے عیاں ہے، مگر اسلام، الحمد للہ سنت نبوی کے پورے اہتمام کے ساتھ محفوظ رہنے کی وجہ سے، قرآن کی تعلیمات پر مکمل طور پر

محفوظ چلا آرہا ہے۔اس طرح اللہ نے سنتِ رسول (جس کواحادیث رسول ﷺ بھی کہاجاتا ہے) کے ذریعہ معانی ومفاہیم اور مراد الٰہی کو محفوظ رکھنے کا انتظام کیا۔اس لیے کہ نبی کریم ﷺ نے قرآن کی جو تفسیر کی، جسے ''تفسیر بالمأ ثور'' کہا جاتا ہے، جس پر امام سیوطی، امام ابن کثیر وغیرہ، بے شمار علماء نے تفسیریں لکھیں، اور ہر آیت کی تفسیر، حدیث رسول سے کر کے دکھائی، وہ درحقیت اللہ ہی کی جانب سے ہے، کیوں کہ قرآن نے اعلان کیا ہے''ان علینا بیانه ''(سورۃالقیٰمۃ:۹۲/۹) یعنی اس قرآن کی تفسیر بھی ہم نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ایک جگہ پر''جمعه وقر آنه ''ہے،ایک جگہ ارشاد ہے''وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحی ''آپ ﷺ کوئی بات اپنے جی سے نہیں کرتے ، بلکہ وحی خداوندی ہی ہوتی ہے۔اسی کو کسی فارسی شاعر نے کہا:

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اس پوری گفتگو سے یہ بات مترشح ہوتی ہے کہ ''تفسیر بالمأ ثور'' درحقیقت اللہ ہی کی، کی ہوئی تفسیر ہے، اورظاہر ہے اللہ ہی اپنی مراد کوخوب اچھی طرح جانتے ہیں۔لہٰذا حدیث کی حفاظت سے معانی ومراد خداوندی بھی محفوظ ہوگئے؛ اللہ ہمیں کتاب اللہ اور سنت رسول پر مرمٹنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!

(۳) قرآن کے الفاظ ومعانی کے ساتھ ساتھ، وہ جس زبان میں نازل ہوا، وہ زبان یعنی عربی زبان بھی محفوظ۔اس کیلئے بھی اللہ نے عجیب انتظام کیا،اس طور پر کہ نبی کریم ﷺ نے ارشادفرمایا:''احبوا العرب لثلاث انی عربی، ولسان أهل الجنة عربی، والقرآن عربی ''قرآن نے خود اعلان کیا: ''بلسان عربی مبین ''(سورہ الشعراء) ہم نے قرآن کوصاف ستھری عربی زبان میں نازل کیا۔اگر آپ لسانیات کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا دنیا کی کوئی زبان تین چار سو سال سے زیادہ محفوظ نہ رہ سکی، یا تو وہ ختم ہوگئی یا کسی دوسری زبان میں ضم ہوگئی، یا ایسے تغیر وتبدل کی شکار ہوگئی کہ اس کی پہلی ہیئت باقی نہ رہ سکی، مگر عربی زبان مسلمانوں کی توجہ وعنایت کا ایسا شہکار ہے، جو بیان سے باہر ہے؛ اولاً خود نبی کریم ﷺ نے صحابہ ﷺ کی تربیت میں عربی زبان کی نوک و پلک کی درستگی کو خوب اہمیت دی، آپ ﷺ کے بعد حضرات صحابہ کرام ﷺ نے بھی، اپنی توجہ کو اس پر مبذول کیا، جیسا کہ حضرت ابوبکر ؓ، حضرت عمر ؓ اور دیگر صحابہ کرام ؓ کی سیرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، یہاں تک کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ ؓ نے تو نحو عربی وصرف

عربی کی بنیاد ڈال کر، اسے خاص توجہ کا مرکز بنایا، اور پھر آپ کے بعد اُمت کا ایک ایسا طبقہ وجود میں آیا، جس نے اپنی زندگیاں اسی زبان کی حفاظت وترویج میں وقف کردی، ابوالاسود الدؤ ویلی، امام سیبویہ، امام خلیل فراہیدی، امام کسائی، امام فراء، امام مبرد، امام اخفش، امام یعصم، امام تغلب، امام ثعلب، امام یشکر، امام ابن حاجب، امام ابن ہشام، امام ابن عقیل، امام ابن جنی، امام نفطویہ، امام زازویہ، امام خالویہ، امام راہویہ وغیرہ نے اپنی پوری زندگیاں صرف ونحو، علمِ بیان وغیرہ کی حفاظت کیلئے وقف کردیں، جس کی برکت سے آج بھی عربی زبان اسی اصل ہیئت پر باقی ہے، جس ہیئت پر وہ نزول قرآن کے وقت تھی، اور قیامت کے وقوع سے پہلے پہلے تک جب تک اس قرآن کو باقی رکھنے کی اللہ کی مشیت ہوگی، امت کی ایک جماعت اس کارِخیر میں مشغول رہے گی، انشاءاللہ۔

(۴) صرف الفاظ ومعانی اور قرآنی زبان ہی کی حفاظت پر ہی اکتفا نہیں کیا گیا، بل کہ اس کے الفاظ و معانی کی عملی صورت کی حفاظت کا بھی پورے پورے انتظام کیا گیا، اس طور پر کہ قرآن جس لفظ میں نازل ہوتا، نبی کریم ﷺ اس کی مراد وحی کی روشنی میں صحابہ کو سمجھاتے، اور سمجھانے کے بعد اس کو عملاً بطور نمونہ کرکے بھی بتلاتے تھے، جس کو آج کی زبان میں تھیوری (Theory) کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل (Practical) کا بھی اہتمام کیا جاتا، مثلاً نماز، قرآن نے صرف یہ الفاظ کہے: ''اقیموا الصلوۃ'' (سورہ البقرہ) نماز قائم کرو، مگر پورے قرآن میں کہیں اس کی پوری تفصیل بالترتیب نہیں بتائی گئی، ہاں کہیں قیام، کہیں رکوع، کہیں سجود کو متفرق طور پر بیان کیا گیا، جب کہ نبی کریم ﷺ نے اس کا طریقہ بالترتیب صحابہ کو بتایا، اور پھر اس کو عملی طور پر کرکے دکھایا اور کہا: ''صلوا کما رأیتمونی اصلی'' نماز ایسی ہی پڑھو جیسی مجھ کو پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو۔ صحابہ نے ایسا ہی کیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ نے بھی بدستور اس پر عمل جاری رکھا، اور تابعین بھی انہیں جیسا کرتے رہے، گویا انہوں نے بھی ہو بہو ایسا ہی کیا، اس کے بعد تبع تابعین، اس طرح آج تک نسلاً بعد نسلٍ اور قرناً بعد قرنِ امت کا اس پر تعامل، اس طرح عملی صورت بھی محفوظ ہوگئی، یہ تو ایک مثال ہے، ورنہ صلوۃ العید، صلوۃ الجنازۃ، زکوٰۃ، صدقہ، قربانی، تلاوت قرآن وغیرہ سب کی عملی صورت آج تک امت کے ذریعہ اللہ رب العزت نے محفوظ رکھی، اسی لیے جب کوئی قرآن کی تفسیر وتشریح میں من مانی کرنے کی کوشش کرتا ہے، تو اُمت میں اس کو تلقی بالقبول (مقبولیت) حاصل نہیں ہوتا، البتہ کچھ افراد جو مفاد پرست ہو یا ان کی اسلامی

تربیت نہ ہوئی ہو، یا ضروری علم دین سے واقف نہ ہو، اس کے تابع ہو جاتے ہیں، اور ایسا تو دنیا میں ہوتا ہی ہے، عربی میں محاورہ مشہور ہے: ''**لکل ساقطة لاقطة**'' ہر گری پڑی چیز کا کوئی نہ کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ قرآن کے مفاہیم و مرادوں کو بھی اللہ رب العزت نے تعامل کے ذریعہ محفوظ رکھا، یقیناً دنیا کی کوئی طاقت اللہ کی مشیت کیلئے رکاوٹ نہیں بن سکتی۔ ''**واللّٰہ غالب علی امرہ و لکن اکثر الناس لایعلمون**'' (سورہ یوسف)

(۵) میرے عزیزو! قربان جایئے اس رب کائنات پر، جس نے اپنی کتاب کی حفاظت کیلئے ایسے ایسے انتظام کیے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، اور انسان اس کی کرشمہ سازیوں پر سر دھنتا رہ جاتا ہے، اس کی ایک مثال یہ ہے کہ جس ماحول میں قرآن کا نزول ہوا، جس سیاق وسباق میں آیتیں نازل ہوئی، اس ماحول کو بھی تحفظ اور دوام بخشا گیا، حدیث کے ذخیرے نے وہ پورا ماحول اس کی منظر کشی اور نقشہ کشی ہمارے سامنے رکھ دی، جب طالب حدیث اس کو پڑھتا ہے، تو اس کے سامنے چشم تصور میں وہ سارا منظر متشکل ہو کر آجاتا ہے، جس منظر میں قرآن کریم نازل ہوا، جس پس منظر اور پیش منظر میں، قرآن مقدس کے احکام و ہدایات پر صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے، صاحبِ وحی رسول اللہ ﷺ کی حاضری اور موجودگی میں عمل درآمد شروع کیا، جس کو علم حدیث میں ''حدیثِ مسلسل'' کہا جاتا ہے، اس کی صورت یہ ہوئی کہ راوی نے، حدیث کو جب نبی کریم ﷺ سے سنا، یا دیکھا، تو اس وقت جو کیفیت تھی، راوی جس سے روایت بیان کرتا ہے، اس کے سامنے وہی انداز واسلوب اختیار کرتا ہے، جس انداز سے اس نے رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کو اخذ کیا ہو، اور وہ پوری کیفیت بعینہٖ کر کے دکھاتا ہے، جو نبی کریم ﷺ سے صادر ہوئی ہو، مثلاً ''**حدیث مسلسل بالتشبیک**''۔

اس کا واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو گناہ اور توبہ کے وقت ایمان کی کیفیت کو بیان کیا، کہ اگر بندہ گناہ کرتا ہے، تو ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرتا ہے تو وہ دوبارہ دل میں داخل ہو جاتا ہے، اور آپ نے اپنی انگلیوں کو پرو کر علیحدہ کیا اور کہا ایمان گناہ کے وقت اس طرح نکل جاتا ہے، اور جب توبہ کرے تو دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے کے اندر پرو کر (جس کو **تشبیک الاصابع** کہتے ہیں) بتایا، پھر اس صحابی نے بھی اس روایت کو بیان کر کے، اسی طرح کر کے بتایا، اس طرح یہ سلسلہ آج تک چلا آرہا ہے بظاہر ایسا کرنے سے کوئی فائدہ سمجھ میں نہیں آتا، اگر نہ بھی کیا جاتا تو

بات سمجھ میں آجائے گی، مگراس کا ایک اضافی فائدہ یہ ہوتا ہے، کہ نفسیاتی اور جذباتی طور پر انسان اس ماحول میں چلا جاتا ہے، جس ماحول میں رسول اللہ ﷺ اس بات کو بیان فرمارہے تھے، مسجد نبوی میں یا جس مقام پر حضور اقدس ﷺ اس کو بیان فرمارہے تھے، تو روحانی طور پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ میں وہاں موجود ہوں، اور رسول اللہ ﷺ کے اس عمل کو صحابہ، تابعین اور تبع تابعین اور حدیث کے اساتذہ اور طلبہ کے ذریعے دیکھتا چلا آرہا ہوں، بالکل اسی طرح کی کیفیت ''اسباب نزول آیات'' کے بولتے اور سنتے وقت ہوتی ہے۔

سبب نزول کہتے ہیں، حدیث میں وارد، اُن واقعات کو جو کسی آیت کے نزول کے وقت پیش آیا ہو، اس سے قرآن فہمی میں بڑی مدد ملتی ہے، کیوں کہ جب آیت کا سبب نزول معلوم ہو جائے، تو اس پر مرتب احکام کا درجہ بھی معلوم ہو جاتا ہے، اگر چہ یہ ضروری بھی نہیں قرار کیا گیا، کہ ہر آیت کا سبب نزول ہو، مستقلاً علماء نے اس پر تصانیف چھوڑی، مثلاً امام جلال الدین سیوطی، امام واحدی وغیرہ نے۔

(۶) قرآن کریم کی حفاظت کی غرض سے جہاں بہت ساری چیزوں کو تحفظ بخشا گیا، وہیں سیرت نبوی یعنی نبی کریم ﷺ کی زندگی کے حالات کو بھی محفوظ کیا۔ کیوں کہ نبی کریم ﷺ نے قرآنی مطالبات پر عمل کر کے بتایا تا کہ کل آ کر کوئی ایسا نہ کہے ہم قرآنی مطالبات پر عمل نہیں کر سکتے، یہ تو بڑے شاق اور دشوار گذار ہیں، تو بطور نمونہ کے آپ نے عمل کر کے بتلایا اور عمل بھی ایسا، جیسا اس پر عمل کرنے کا حق ہے، اسی لیے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، حضور اقدس ﷺ کے اخلاق کے بارے میں جب دریافت کیا گیا، تو آپ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ کہاں ہاں۔ تو آپ نے فرمایا: ''**کان خلقه القرآن**'' آپ قرآن کا چلتا پھرتا نمونہ تھے۔ جہاں کوئی امر نازل ہوا، فوراً عمل کر کے بتایا، اسی لیے قرآن نے اعلان کر دیا ''**لقد کان لکم فی رسول الله اسوة حسنة**'' (سورۃ الاحزاب:۱۲/۱۲) آپ ﷺ کی زندگی، اے مسلمانو! تمہارے لیے نمونہ ہے، دنیا میں کسی ہستی کی سیرت وحیات پر اتنا کام نہیں ہوا جتنا رسول اللہ ﷺ کی حیات مبارکہ پر ہوا، اور ہوتا چلا جارہا ہے، آج بھی اس کی افادیت میں کوئی کمی محسوس نہیں ہو رہی ہے، بلکہ مزید اس کی افادیت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ''**اللّٰهم اجعلنا ممن یتبع الرسول و یطیعه**''

(۷) نبی کریم ﷺ کی ذات اقدس کو اللہ رب العزت نے اپنی آخری کتاب قرآن کے نزول کیلئے منتخب کیا اور آپ کیلئے آخری دین، دین اسلام کو تجویز کیا، قرآن کی حقانیت کو باقی رکھنے کیلئے اس کے تقدس و

علو مرتبت کو ثابت کرنے کیلئے صاحب قرآن کی عظمت اور تقدس کو باقی رکھنا بھی امر ناگزیر تھا، اللہ رب العزت نے اس کیلئے جو حیرت انگیز اور تعجب خیز انتظام فرمایا، اسی میں سے ایک یہ کہ آپ کے نسب مبارک کو بھی مکمل محفوظ کیا گیا، عرب جوامی، اَن پڑھ تھے، مگر اس کے باوجود اقوام عالم میں ان کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ اپنے انساب کے یاد رکھنے کا بڑا اہتمام کرتے تھے یہی اہتمام بعد میں چل کر ایک فن کی حیثیت اختیار کر گیا، اور اس پر کتابیں بھی لکھی گئیں، مثلاً ''**الانساب للامام السمعانی** '' وغیرہ، علم الانساب کہتے ہیں اس ریکارڈ کو جس میں یہ محفوظ کیا جائے کہ کون سا قبیلہ کہاں سے وجود میں آیا، کس قبیلے کے کس آدمی کا باپ کون اس کا دادا کون، اسی طرح اوپر تک اس کی شادی کہاں ہوئی، اس کی اولاد کتنی تھی، عربی قبائل میں کس قبیلے کی کس قبیلے کے ساتھ رشتہ داری تھی وغیرہ۔

اب کہنے والا یہ کہہ سکتا ہے کہ عربوں کو ان موضوعات سے دلچسپی رہی ہوگی، یا انہیں اس طرح کی معلومات کے جمع کرنے کا شوق رہا ہوگا، لیکن بات اتنی کہنے سے نہیں ٹلتی، ڈاکٹر محمود احمد غازی ایک حیرت انگیز بات کا انکشاف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں ''جب ہم انساب کی کتابوں کا جائزہ لیتے ہیں، اور ان کا مطالعہ کرتے ہیں، تو ایک عجیب وغریب بات سامنے آتی ہے، بہت عجیب وغریب، اتنی عجیب وغریب، کہ اس کو محض اتفاق نہیں کہا جاسکتا، وہ عجیب وغریب بات یہ سامنے آتی ہے کہ جتنی معلومات محفوظ ہوئیں، وہ مرکوز ہیں رسول اللہ ﷺ کی شخصیت پر حالاں کہ جس وقت انساب کی حفاظت کا کام شروع ہوا، اس وقت تو حضور ﷺ پیدا بھی نہیں ہوئے تھے''۔ مگر اللہ کو منظور تھا کہ آپ کا نسب مکمل محفوظ اور منسلک رہے تا کہ آپ کے آباء واجداد کی علو شان، ان کی پاکبازی سے آپ کی خاندانی شرافت اور کرامت کا ثبوت فراہم ہو، اور یوں صاحب قرآن کی شان بھی قرآن کے شایان شان ہونے کا ثبوت مہیا ہو جائے، اور کسی بھی ذی ہوش وخردمند کیلئے آپ کی تکذیب کا سوال باقی نہ رہے، اور آپ کی تصدیق دل وجان سے قبول کرلے، ہاں مگر یہ کہ اس میں حسد وعناد، شرکشی وشرارت ہو، اس طرح قرآن کی حفاظت اس کے وقار اور اس کی حقانیت کے ثبوت کیلئے اللہ رب العزت نے نبی کریم ﷺ کے نسب مبارک کو محفوظ کرلیا۔ ''**واللہ علی کل شیء قدیر** ''(سورۃ البقرہ)

''**واللہ غالب علی امرہ و لکن اکثر الناس لایعلمون**''(سورہ یوسف:)

(۸) قرآن کے نزول کے وقت اس کے اولین مخاطب اور اس کے اولین حاملین حضرات صحابہ کرام

رضی اللہ عنہم جو براہِ راست مخاطب تھے، قرآن کی حفاظت کیلئے اللہ نے ایک انتظام اور بندوبست یہ بھی کیا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حالات کو محفوظ کروالیا، ایک اندازے کے مطابق صحابہ کی تعداد ایک لاکھ سے متجاوز تھی، مگر ان میں سے اکثریت آخری دور میں قبولیت اسلام سے شرف یاب ہوئی، اس اولین حاملین، جنہیں قدیم الاسلام یا اولین مومنین کہا جاتا ہے، ان کی تعداد کم وبیش پندرہ بیس ہزار رہی ہوگی، اور جن صحابہ نے آپ سے زیادہ کسبِ فیض کیا، ان کے حالات کو بھی اللہ نے محفوظ کرلیا، تاکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ساتھ ان کے حالات کا علم ہوجائے اور انہوں نے ایمانی تقاضوں اور اسلامی مطالبات کو، جس حسن وخوبی کے ساتھ عملی جامہ پہنایا، اس کی معرفت بھی حاصل ہوجائے تاکہ کوئی یہ نہ کہہ سکے، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم تو رسول تھے، ان کے ساتھ اللہ کی خاص عنایت ورحمت تھی، انہوں نے اگر عمل کیا، یہ ان کی امتیازی شان تھی، مگر جب صحابہ کی زندگیاں بھی اسی نقش قدم پر پائی، تو معلوم ہوجاتا کہ ایسا نہیں اگر انسان ارادہ کرلے، تو مکمل ایمانی تقاضوں کو پورا کرسکتا ہے، جیسا کہ صحابہ نے پورا کیا، اسی لیے قرآن نے کہا: ''امنوا کما آمن الناس '' ایمان لاؤ صحابہ جیسا ایمان لائے۔ اس میں الناس پر الف لام عہدِ خارجی کا ہے، یعنی حضرات صحابہ۔

صحابہ کے حالات میں ایک عجیب پہلو یہ بھی سامنے آیا کہ جو صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا قریب تھے، ان کے حالات اتنے ہی زیادہ تفصیل کے ساتھ ملتے ہیں، صحابہ کے حالات کی حفاظت کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ صاحب قرآن کے اصحاب واحباب کا جب علم ہو تو اس سے آپ کے محبِ خیر بل کہ سراپا خیر ہونے کا اندازہ ہو، کیوں کہ آدمی اپنے دوستوں سے جانا جاتا ہے، حدیث شریف میں ''فانظر الی من یخالل'' کہ جب تم کسی کے بارے میں جاننا چاہو تو دیکھو کہ وہ کیسے لوگوں کے ساتھ رہتا ہے، تو اس سے معلوم ہوجائے گا کہ یہ کیسا ہے، انسانی تاریخ میں حضرات انبیاء کرام کے بعد اگر کوئی مقدس اور بہترین گروہ ہے تو وہ گروہِ صحابہ ہے، لہٰذا قرآن اور صاحب قرآن کو سمجھنے کیلئے یہ جاننا بھی ضروری تھا کہ قرآن پر اجتماعی عمل کیسے ہو؟ سنت اور قرآن کی اجتماعی تشکیل کس طرح ہوں؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں امت نے کیسے جنم لیا؟ اوران سوالات کے جوابات مکمل نہیں ہوسکتے تھے، مگر صحابہ کے احوال کے جانے بغیر، لہٰذا اللہ نے انتظام کیا، اور اولین حاملین قرآن اور اولین عاملین میں سے تقریباً پندرہ ہزار نفوس قدسیہ کے حالات نام بہ نام نسل بہ نسل دستیاب ہیں، اور الحمدللہ امت تب سے لے کر اب تک اور قیامت تک ان کے نقوش وخطوط سے استفادہ کرتی رہے گی، اور قرآن پر عمل کرنے کیلئے اسے معاون سمجھتی رہے گی، واللہ لطیف بالعباد۔

(۹) اب جب صحابہ جوقرآن کے الفاظ ومعانی کے ساتھ ساتھ اس پرانفرادی واجتماعی طور پرعمل کرنے والے اور دنیا کو یہ بتانے والے ٹھہرے کہ قرآن قابل عمل ہی نہیں دنیا وآخرت کی کامیابی وکامرانی کا ضامن ہے، تو ان کے حالات کے جاننے کیلئے، ان کے اصحاب جن کو تابعین کہا جاتا ہے، کے حالات کا قلمبند ہونا بھی ضروری تھا، تاکہ صحابہ کے حالات ہم تک یعنی ان کے بعد والوں تک صحیح طور پر پہنچے، تو اس کیلئے، ان تابعین وتبعِ تابعین کے احوال کا تحفظ بھی ضروری تھا، کرشمہ الٰہی دیکھئے کہ ایسے چھ لاکھ افراد کے بارے میں پورا بایوڈاٹا یعنی مکمل معلومات کو بھی اللہ نے تحفظ بخشا اور وہ بھی سرسری نہیں بلکہ ان کی پوری تفصیلات کے ساتھ، کہ یہ کون تھے؟ کس زمانہ میں پیدا ہوئے؟ ان کی شخصیت کس درجہ کی تھی؟ ان کا علم وفضل کس درجہ کا تھا؟ انہوں نے کس کس سے کسبِ فیض کیا؟ ان کا حافظہ کیسا تھا؟ ان میں کیا اچھائیاں تھیں وغیرہ۔ غرضیکہ اس طور پر منقی ومصفی کرکے سامنے رکھ دیا گیا ہے، کہ آدمی ان کی شخصیت سے اطمینان بخش حد تک معلومات حاصل کرلے۔ اس کو فن ''اسماء رجال'' سے تعبیر کیا گیا۔ اور ڈاکٹر محمود احمد غازی فرماتے ہیں کہ یہ ایسا فن ہے کہ اس کی مثال دنیا کے کسی مذہبی وغیر مذہبی فن میں نہیں ملتی، نہ مذہبی علوم میں اس کی مثال اور نہ غیر مذہبی علوم میں۔

خلاصۂ کلام یہ کہ وہ چیزیں ہیں، جس کو قرآن کی حفاظت کی خاطر اللہ رب العزت نے حیرت انگیز انداز میں تحفظ بخشا، اور اپنے کامل قدرت کا مظاہرہ کیا، اللہ ہمیں قرآن کی قدردانی کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے ظاہر وباطن کو قرآن کے منشاء کے مطابق بنادے۔ آمین یارب العالمین!

❍❖❍

قلم کاروں سے گذارش

- مضامین خوشخط / یا کمپیوز کیا ہوا، صاف اور سادے کاغذ پر ایک جانب ہوں۔
- مضامین تحقیقی، باحوالہ، معیاری، مواد سے پُر، فل اسکیپ کاغذ دوصفحہ سے زائد نہ ہوں۔
- مضامین کی اصل کاپی ہی ارسال فرمائیں۔ فوٹو کاپی اپنے پاس رکھیں۔
- نیز بذریعہ ای میل بھی مضامین ارسال کرسکتے ہیں۔

E-Mail:-.nedaequasim@gmail.com

جاری کردہ: دفتر ماہنامہ ندائے قاسم نفیس کالونی، مہندرو، پٹنہ

روزہ: روحانی وجسمانی فوائد کا حامل

ڈاکٹر محمد ناصر، شعبۂ دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

يَـٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ٥

اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کیے گئے جیسا کہ ان لوگوں پر فرض کیے گئے تھے جو تم سے پہلے تھے اس توقع سے کہ تم متقی بن جاؤ۔

نفس چونکہ آزادی کا خواہاں ہے، پابندیاں اس کیلئے دشوار ہیں اس لیے بندوں کو یاد دلایا کہ یہ پابندیاں اور آزمائشیں صرف تم تک محدود نہیں بلکہ جس گروہ و جماعت نے ہم سے پیمان وفا باندھا، جس نے بھی راہ الفت میں قدم رکھا، جس نے بھی ہم سے محبت وتعلق پیدا کیا اس کو کچھ ایسی ہی آزمائشوں سے گذرنا پڑا۔ چنانچہ مذاہب عالم کی تاریخ شاہد ہے کہ ملت اسلام سے پہلے بھی دیگر امتوں پر کسی نہ کسی حیثیت سے روزے فرض رہے جیسا کہ مذکورہ آیت سے اس کا اندازہ ہوتا ہے۔

چاہیے تو یہ تھا کہ انسان سال کے سال تمام عمر انھیں حدود وقیود اور پابندیوں کے ساتھ اپنی عمر کا بیشتر حصہ گذارتا کیوں کہ یہی چیزیں اس کی فلاح و بہبود، اس کے کمالات کے نشو ونما کی ضامن ہیں، اور یہ بھی ہوتا کہ سب ملکر ایک خاص وقت مقرر کر لیتے اور اس عبادت کو ادا کرتے تا کہ شرکت و اجتماع کی دولت و برکت بھی حاصل ہو جاتی، مگر رب العالمین نے احسان عظیم فرمایا کہ نہ تو تمام سال کے روزے مقرر فرمائے کہ پابندیاں پورے سال رہیں بلکہ نفس کو خیر وتقوی کا خوگر بنانے کیلئے ایک ماہ گنتی کے چند روز" **ایاما معدودات** "(سورہ بقرہ:۱۸۶) مقرر فرمائے- اور نہ روزوں کا مقرر ومتعین کرنا بندوں کے سپرد فرمایا کہ جس مہینہ کو چاہیں مقرر کر لیں، کیوں کہ اس صورت میں شدید اختلاف ونزاع رونما ہوتا، کسی کی مصلحت اسوقت ہوتی اور کسی کی دوسرے وقت۔ اللہ رب العزت نے احسان فرمایا کہ از خود ہجری سال کے نویں ماہ "رمضان" کو روزوں کیلئے منتخب ومقرر فرمایا۔

روزہ اور جذبۂ اطاعت:

روزے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ روزہ ایک لمبی مدت تک شریعت کے احکام کی لگاتار اطاعت کراتا ہے۔ نماز کی مدت ایک وقت میں چند منٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ زکوۃ ادا کرنے کا وقت سال بھر میں صرف ایک مرتبہ آتا ہے اور وہ بھی سب کیلئے نہیں۔ اس کے برخلاف روزہ ہر سال پورے ایک مہینے تک شب و روز شریعت محمدی

ﷺ کے اتباع کی مشق کراتا ہے۔ صبح سحری کیلئے اٹھو متعینہ وقت پر کھانا پینا سب بند کردو۔ شام کو متعینہ وقت پر افطار کرو پھر تراویح کیلئے نکلنا۔ اس طرح ہر سال کامل مہینہ بھر صبح سے شام تک اور شام سے صبح تک مسلمان کو مسلسل فوجی سپاہیوں کی طرح پورے قاعدے اور ضابطے میں باندھ کر رکھا جاتا ہے اور پھر گیارہ مہینے کیلئے اسے چھوڑ دیا جاتا ہے تاکہ جو تربیت اس ایک مہینے میں اس نے حاصل کی ہے اس کے اثرات ظاہر ہوں، اور جو کمی پائی جائے وہ پھر دوسرے سال کی ٹریننگ میں پوری کی جائے۔

روزہ انسان کو اتباع حکم پر آمادہ کرتا ہے:

روزہ انسان کو ملائکہ سے بھی آگے بڑھا دیتا ہے اس لیے کہ اگر فرشتے صبح سے شام تک نہ کھائیں، نہ پئیں یہ ان کا کمال نہیں ہے کیوں کہ انھیں کھانے کی حاجت ہی نہیں لہٰذا ان کے نہ کھانے پینے پر کوئی اجر وثواب بھی نہیں لیکن انسان ان تمام حاجتوں کو لیکر پیدا ہوا ہے پھر وہ کتنے ہی بلند مقام پر پہنچ جائے حتیٰ کہ سب سے اعلیٰ مقام یعنی منصب نبوت سے سرفراز ہوجائے تب بھی کھانے پینے سے مستغنی نہیں ہوسکتا جیسا کہ کفار نے یہ اعتراض بھی کیا تھا ''**ما لهٰذا الرسول ياكل الطعام و يمشي في السواق** ''(سورہ فرقان آیت:۷) یعنی یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا بھی کھاتے ہیں بازاروں میں بھی چلتے ہیں۔ اب اگر انسان کو بھوک لگ رہی ہے لیکن اللہ کے حکم کی وجہ سے کھانا نہیں کھا رہا ہے، پیاس ہے پانی نہیں پی رہا ہے اور گناہ کے محرکات سامنے آرہے ہیں مگر انسان اللہ کے خوف اور اس کی عظمت کی وجہ سے گناہ سے رکتا ہے اور اپنے اعضاء وجوارح کو گناہوں میں ملوث نہیں کرتا ہے، گناہوں کی طرف اپنے بڑھتے ہوئے قدموں کو روک لیتا ہے تاکہ میرا رب مجھ سے ناراض نہ ہوجائے۔ یہ عبادت فرشتوں کی قدرت سے باہر اور انسان کیلئے کمال عبدیت ہے جو انسان کو اصل عبادت یعنی اتباع حکم پر آمادہ کرتا ہے، جو مقصود ہے۔

روزہ کی حقیقت کو سامنے رکھ کر اگر غور وفکر کیا جائے کہ جو شخص روزہ رکھتا ہے اس کے آداب کے ساتھ کہ سخت گرمی کی حالت میں جب پیاس سے حلق چٹکھتا ہے اور وہ پانی کا قطرہ حلق سے نیچے نہیں اتارتا ہے، سخت بھوک کی حالت میں جبکہ آنکھوں میں دم آرہا ہو کوئی چیز کھانے کا ارادہ تک نہیں کرتا، اسے اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے پر مضبوط ایمان ہوتا ہے۔ کسی قدر یقین کے ساتھ وہ جانتا ہے کہ اس کی کوئی حرکت چاہے ساری دنیا سے مخفی رہ جائے مگر اللہ العزت سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ کیسا خوف خدا اس کے دل میں ہے کہ بڑی سے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے مگر صرف اللہ کے خوف کی وجہ سے کوئی ایسا کام نہیں کرتا جو اس کے روزے کو ضائع کرنے والا ہو۔ کیسا مضبوط اعتقاد ہے اس کو آخرت کی جزا وسزا پر کہ مہینہ بھر کے روزے رکھتا ہے اور اس دوران

کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے دل میں آخرت کے متعلق شک کا شائبہ تک نہیں آتا۔ اگر اسے اس بات میں ذرا سا بھی شک ہوتا کہ آخرت ہوگی یا نہ ہوگی اور اس میں عذاب وثواب ہوگا یا نہ ہوگا تو وہ کبھی اپنا روزہ پورا نہیں کرتا۔ شک آنے کے بعد یہ ممکن نہیں ہے کہ آدمی خدا کے حکم کی تعمیل میں کچھ نہ کھانے اور نہ پینے کے ارادے پر قائم رہ جائے۔

روزہ اور خوف خدا:

روزہ انسان میں صفت تقویٰ پیدا کرتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے روزے کا حکم دینے کے بعد فرمایا: ''لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ''یعنی تم پر روزہ فرض کیا جاتا ہے شاید کہ تم متقی و پرہیزگار بن جاؤ۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس سے ضرور متقی و پرہیزگار بن جاؤ گے۔ اس لیے کہ روزہ کا یہ نتیجہ تو آدمی کی سمجھ بوجھ اور اس کے ارادے پر موقوف ہے۔ جو اس کے مقصد کو سمجھے گا اور اس کے ذریعہ سے اصل مقصد کو حاصل کرنے کی کوشش کریگا وہ کم یا زیادہ متقی بن جائیگا۔ مگر جو مقصد کو ہی نہ سمجھے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش ہی نہ کرے اسے یہ صفت حاصل ہونے کی امید نہیں ہے جبکہ تقویٰ وہ صفت ہے جس کے متعلق حدیث رسول ﷺ میں فرمایا گیا کہ روز قیامت آپ ﷺ سے زیادہ قریب متقی لوگ ہوں گے۔''ان اولی الناس بی المتقون''(مسند احمد:۲۳۵/۵۔معارف الحدیث:۴۸/۲۔)

روزہ کے مقصد کو سامنے رکھ کر ہم دیکھیں کہ روزہ کس طرح انسان کو دوسری بڑی عبادات کے لیے تیار کرتا ہے۔ روزے کے سوا جتنی دوسری عبادتیں ہیں وہ کسی نہ کسی ظاہری حرکت سے ادا کی جاتی ہیں۔ مثلاً نماز میں آدمی اٹھتا، بیٹھتا، رکوع اور سجدہ کرتا ہے جس کو ہر شخص دیکھ سکتا ہے، حج میں ایک طویل سفر کر کے جانا پڑتا ہے اور پھر ہزاروں، لاکھوں کا جم غفیر ہوتا ہے، زکوٰۃ بھی کم از کم ایک شخص دیتا ہے اور دوسرا لیتا ہے، ان سب عبادتوں کا حال مخفی نہیں رہ سکتا۔ اگر آپ ادا کرتے ہیں تب بھی معلوم ہو جاتا ہے، اگر ادا نہیں کرتے تب بھی دوسروں کو خبر ہو ہی جاتی ہے۔ اس کے برعکس روزہ ایسی عبادت ہے جس کا حال خدا اور بندے کے سوا کسی پر ظاہر نہیں ہوسکتا، ایک شخص سب کے سامنے سحری کھائے اور افطار کرے اور بظاہر کچھ نہ کھائے پیئے مگر چھپ کر پانی پی لے یا چوری سے کچھ کھا لے تو خدا کے سوا کسی کو اس کی خبر نہیں ہوسکتی۔ سب یہی سمجھتے رہیں گے کہ وہ روزہ سے ہے اور حقیقت میں وہ روزہ دار نہ ہوگا۔ روزہ کی اس حقیقت کو سامنے رکھ کر غور کریں کہ جو شخص حقیقت میں روزہ رکھتا ہے اور وہ چوری چھپے کچھ کھاتا پیتا بھی نہیں، بڑی سے بڑی تکلیف اٹھاتا ہے مگر صرف اللہ کے خوف کی وجہ سے کوئی ایسی حرکت نہیں کرتا جو اس کے روزے کو فاسد کرنے والی ہو، کس قدر مضبوط اعتقاد ہے آخرت کی جزاء وسزا پر اور اس اثناء میں کبھی ایک لمحہ کیلئے بھی اس کے دل میں آخرت کے متعلق شک کا شائبہ تک نہیں آتا، یہ داعیہ صرف روزہ ہی انسان کے دل میں پیدا کرتا ہے جو دوسری عبادات میں معین ومددگار کا کام دیتا ہے۔

روزہ کی فضیلت:

کتب حدیث میں رمضان المبارک کی فضیلت یہ بیان فرمائی کہ رب غفور نے اس ماہ مقدس کو وحی ربانی کے نزول کیلئے منتخب فرمایا۔ چنانچہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ اور واثلہ بن الاسقع رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق آسمانی صحیفے تورات، زبور، انجیل کا نزول بھی اس ماہ مبارک ومسعود میں ہوا، نیز خالق عظیم نے اپنے عظمت والے کلام (قرآن) کو ایک عظیم فرشتہ سید الملائکہ (جبرئیل امین علیہ السلام) کے ذریعہ عظیم المرتبت ہستی (سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم) پر لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل فرمانے کیلئے جس رات (شب قدر) اور جس مہینے (رمضان المبارک) کا انتخاب فرمایا، ظاہر ہے وہ بھی عظمت وبرکت والا مہینہ ہے، جس کی عظمت وفضیلت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں اجاگر فرمایا: تم پر ایک برکت والا مہینہ آرہا ہے جس میں بے شمار اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوتی ہیں، خطائیں معاف، اور دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ ''**شهر بركة يغاشكم الله فيه فينزل الرحمة و يحط الخطاء و يستجيب فيه الدعاء**'' (المسند للشيباني، ح ۲۲۳۸، مسند الشامين للطبراني ح ۲۲۳۸)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے ایسا عمل بتادیجیے جس سے جنت میں داخل ہوجاؤں؟ (خصوصی عمل مراد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روزے کی پابندی کرو، کیوں کہ روزہ کے برابر کوئی دوسرا عمل نہیں ہے۔ ''**عليك بالصوم فانه لا مثل له**'' (صحيح ابن حبان، ح ۳۴۲۵) راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد ابوامامہ رضی اللہ عنہ کے گھر مہمان کے سوا دن میں چولہا نہیں جلا۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد مروی ہے کہ: جس نے رمضان کے روزے رکھے اور آداب کی رعایت کی اور جن باتوں سے روزے میں پرہیز کرنا تھا ان سے بچتا رہا، تو یہ روزہ گذشتہ گناہوں کی معافی کا ذریعہ بن جائے گا۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اعمال اللہ کے نزدیک سات طرح کے ہیں: ''**الاعمال عند الله عز و جل سبعة**'' (بیہقی حدیث نمبر ۳۳۱۷)

دو عمل واجب کرنے والے ہیں کلمہ طیبہ جنت کو اور کفر وشرک جہنم کو، دو عمل کا بدلہ عمل کے برابر ہوتا ہے جس نے برا کام کیا تو اس کے بقدر گناہ لکھا جائے گا۔ اور جس نے نیکی کا ارادہ کیا مگر عمل کی نوبت نہیں آئی تو نیت کا ثواب ملے گا۔ بعض عمل کا بدلہ دس گنا تک ملتا ہے۔ ''**من جاء بالحسنة فله عشر امثالها**'' اور بعض عمل کا بدلہ سات سو گنا تک ملتا ہے مثلاً خلوص نیت سے صدقہ کیا ثواب سات سو گنا تک ملے گا۔ اور بعض عمل ایسے ہیں کہ ان کے ثواب کی تعداد اللہ رب العزت کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے روزہ انہی اعمال میں سے ہے۔ ''**و عمل لا يعلم ثوابه الا الله عز و جلّ والصيام منه**'' (ترغیب وترہیب: ۸۵/۲)

روزہ کے اصل مقصد کی طرف سرکار دوعالم نے ﷺ اس طرح توجہ دلائی: ''**من صام رمضان ایماناً و احتساباً غفر له ما تقدم من ذنبه**''(بخاری شریف)''یعنی جس نے روزہ رکھا ایمان اور احتساب کے ساتھ، اس کے تمام پچھلے گناہ معاف کر دیے گئے''۔

ایمان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے متعلق ایک مسلمان کا جو عقیدہ ہونا چاہئے وہ عقیدہ ذہن میں پوری طرح تازہ رہے۔ اور احتساب کا مطلب یہ ہے کہ آدمی اللہ ہی کی رضا کا طالب ہو اور ہر وقت اپنے خیالات اور اپنے اعمال پر نظر رکھے کہ کہیں وہ اللہ کی رضا کے خلاف تو نہیں چل رہا ہے۔ ان دونوں چیزوں کے ساتھ جو شخص رمضان کے پورے روزے رکھے گا اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے، اس لیے کہ اگر وہ کبھی سرکش و نافرمان بندہ تھا بھی تو اب اس نے اپنے مالک کی طرف پوری طرح رجوع کرلیا، اور ''**التائب من الذنب کمن لا ذنب له**''(سنن ابن ماجہ) گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے اس نے گناہ کیا ہی نہ تھا اور گناہوں سے اپنے دامن کو پاک صاف کر لیا۔

جس طرح روزہ رکھنا ثواب کا باعث ہے ایسے ہی روزہ افطار کرانا بھی کم ثواب کا ذریعہ نہیں ہے چنانچہ فرمان رسالت ہے: ''**من فطّر فیه صائماً کان له مغفرة لذنوبه وعتق رقبته من النار وکان له مثل اجره من غیر ان ینتقص من اجره شیئی**''(ترمذی شریف) جس نے رمضان میں کسی روزہ دار کو افطار کرایا تو یہ اس کے گناہوں کی بخشش کا اور اس کی گردن کو آگ سے چھڑانے کا ذریعہ ہوگا اور اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا اس روزے دار کو روزہ رکھنے کا ثواب ملے گا۔ بغیر اس کے کہ روزہ دار کے اجر میں کوئی کمی ہو۔

روزہ کے فوائد و ثمرات:

شریعت کے کس حکم میں کیا فوائد و مصلحتیں پوشیدہ ہوتی ہیں اس کا ادراک عقل انسانی سے بالاتر ہے مگر یہ ضرور ہے کہ ہر حکم میں فوائد و مصالح دنیوی و اخروی مضمر ہوتی ہیں جن کو حضرات علماء کرام نے اپنی عقل و فہم اور بصیرت و آگاہی کے مطابق بیان فرمایا ہے جیسا کہ مولانا ساجد تفسیری خطبات میں رقمطراز ہیں جو اس طرح ہیں۔

روحانی فوائد:

- روزہ سے نفس مغلوب اور عقل غالب ہوتی ہے۔
- روزہ سے خشیت الٰہی و خوف پیدا ہوتا ہے۔
- روزہ سے انسان میں عجز و انکساری پیدا ہوتی ہے اور خدائی قدرت و جلال پر نظر پڑتی ہے۔

- روزہ کے ذریعہ درندگی و بہیمیت سے دوری ومہجوری نصیب ہوتی ہے۔
- ملائکہ الٰہی یعنی فرشتوں سے قربت اوران جیسی صفات پیدا ہوتی ہیں۔
- لوگوں سے ہمدردی وغم خواری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
- روزہ خدا تعالیٰ کی شکرگذاری کا سبب بنتا ہے۔
- روزہ نفس سرکش کو مطیع وفرماں بردار بنانے کا قوی ذریعہ ہے۔
- روزہ سے آدمی اللہ تعالیٰ کا محبوب ومقرب بن جاتا ہے۔
- روزہ بخشش ومعرفت کا ذریعہ ہے۔(تفسیری خطبات:۲۴۹/۱)

روزہ حکم خداوندی ہے اور روحانی واخلاقی فوائد کا حامل بھی، مگر اس اقرار واعتراف کے باوجود کہ کسی بھی شرعی حکم کو ثابت کرنے کیلئے نہ تو کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ کسی وکیل کی، مگر معین و مددگار ومئوید ہونے کی حیثیت سے یہ ذکر کردینا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہوگا کہ جدید تحقیقات، نت نئے انکشافات، ریسرچ وتجربات اور سائنس سے ثابت ہوا ہے کہ روزہ بے شمار جسمانی فوائد اپنے جلو میں رکھتا ہے جیسا کہ سنت نبوی اور جدید مصنف نے روزہ کے درج ذیل فوائد بیان کیے ہیں۔

روزہ کے جسمانی فوائد:

- مستقل سرگرم عمل رہنے کی بنا پر معدہ میں رطوبتیں پیدا ہوکر زہریلے مادے میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور پیچیدہ امراض کا سبب بنتی ہیں روزہ ان تمام رطوبتوں کو ختم کردیتا ہے۔
- روزہ سے دل کے مریضوں کی بے چینی اور سانس کا پھولنا کم ہوجاتا ہے۔
- روزہ شوگر کے مریضوں کے لیے بھی فائدہ مند ہے کیوں کہ شوگر کو کنٹرول کرتا ہے۔
- روزہ سے دماغی ونفسیاتی امراض کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔
- روزہ کے ذریعہ گلے اور خوراک کی نالی کو آرام نصیب ہوتا ہے۔
- روزہ آنتوں کو آرام اور توانائی فراہم کرتا ہے۔
- ہڈیوں کا گودا حرکت پذیر ہوتا ہے جس سے بدن میں بکثرت خون پیدا ہوتا ہے۔

- حدیث شریف میں بتایا گیا ہے کہ روزہ رکھو اور تندرست رہو۔''صوموا تصحوا''(مسند احمد:۲)

غالبًا انہی وجوہات واسباب کی بنا پر بہت سے غیر مسلم بھی روزہ کی افادیت کے قائل رہے ہیں، جیسے سکندر اعظم، ارسطو، عیسائیوں میں سے آکسفورڈ یونیورسٹی کے پروفیسر مور پالڈ پوپ، ایلف گال، سکھوں کے مذہبی رہنما گرونانک، ہندوستان میں چندر گپت موریہ، چانکیہ جی مہاراج، موہن داس کرم چند (مہاتما گاندھی) نے بھی روزے رکھے ہیں۔ اور طب یونانی، ایلوپیتھی، ہومیوپیتھی، آیورویدک وغیرہ جتنے بھی طریقۂ علاج ہیں وہ سب اور ان کے ماہرین اس پر متفق ہیں کہ معدہ کو خالی رکھنا بے شمار امراض سے نجات دیتا ہے۔

آداب: روزہ ڈھال کی طرح ہے (کہ جس طرح ڈھال دشمن کے وار سے بچنے کیلئے ہے اسی طرح روزہ بھی شیطان کے وار سے بچنے کیلئے ہے) لہٰذا جب کوئی شخص روزہ سے ہو تو اسے چاہیے کہ (اس ڈھال کو استعمال کرے اور) دنگے فساد سے پرہیز کرے۔ اگر کوئی شخص اس کو گالی دے، یا اس سے لڑے تو اس کو کہہ دینا چاہیے کہ بھائی میں روزہ سے ہوں:''**الصیام جنة و اذا کان یوم صوم احد کم فلا یرفث ولا یصخب فان سابه احد او قاتله فلیقل انی امرء صائم**''(بخاری شریف) مجھ سے یہ توقع نہ رکھو کہ تمہارے اس مشغلے میں حصہ لوں گا۔ یہ روزہ ہی کی توبرکت ہے کہ غیر رمضان میں جتنے گناہوں کا صدور ہوتا ہے مقدس ماہ میں ان میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔

آپ ﷺ نے مختلف طریقوں سے روزے کے اصل مقصد کی طرف توجہ دلائی ہے کیونکہ کہ مقصد سے غافل ہو کر بھوکا پیاسا رہنا کچھ مفید نہیں، چنانچہ فرمایا:''**من لم یدع قول الزور والعمل به فلیس لله حاجة فی ان یدع طعامه و شرابه**''(بخاری شریف) جس کسی نے جھوٹ بولنا اور جھوٹ پر عمل کرنا ہی نہ چھوڑا تو اس کا کھانا اور پانی چھڑا دینے کی اللہ کو کوئی حاجت نہیں۔ دوسری حدیث میں ہے کہ سرکار دوعالم ﷺ نے فرمایا:''**کم من صائم لیس له من صیامه الا الظمأ**''(ابن ماجہ) بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ روزہ سے بھوک پیاس کے سوا ان کو کچھ نہیں ملتا۔

ان دونوں حدیثوں کا مطلب بالکل صاف ہے۔ اس لیے کہ ان سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ محض بھوکا اور پیاسا رہنا عبادت نہیں ہے بلکہ اصل عبادت کا ذریعہ ہے، اور اصل عبادت ہے خوف خدا کی وجہ سے خدا کے قانون کی خلاف ورزی نہ کرنا، اور محبت الٰہی کی بنا پر ہر اس کام میں دلچسپی جس میں محبوب کی خوشنودی ہو، اور

نفسانیت سے بچنا، جہاں تک بھی ممکن ہو۔

احادیث مبارکہ میں حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ روزہ کی حالت میں انسان کو زیادہ سے زیادہ نیک کام کرنے چاہیے، اس حالت میں اس کے اندر اپنے دوسرے بھائیوں کی ہمدردی کا جذبہ تو پوری شدت کے ساتھ پیدا ہو جانا چاہیے، کیوں کہ وہ خود بھوک پیاس کی تکلیف میں مبتلا ہو کر زیادہ اچھی طرح محسوس کر سکتا ہے کہ دوسرے بندگان خدا پر غریبی اور مصیبت میں کیا گذرتی ہوگی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ خود سرکار رسالت مآب ﷺ رمضان میں عام دنوں سے زیادہ رحیم اور شفیق ہو جاتے تھے۔ کوئی سائل اس زمانے میں حضور ﷺ کے دروازے سے خالی نہ جاتا تھا، اور کوئی قیدی اس زمانے میں قید نہ رہتا تھا۔

جس طرح بغیر وقفہ کے چلنے سے انسان تھک جاتا ہے اور آرام کا طلبگار ہوتا ہے، مسلسل غور وفکر سے دماغ میں ماندگی پیدا ہو جاتی ہے اور انسان عقلی چیزوں سے آزادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ انجن مسلسل حرکت میں رہنے کی بناء پر گرم ہو جاتا ہے اس لیے وقفہ استراحت کے لیے کام موقوف کر دیا جاتا ہے اور اس کو کام سمجھا جاتا ہے۔

ہفتہ میں چھ دن کام ہوتا ہے اور ساتویں دن خواہ جمعہ ہو یا اتوار سرکاری وغیر سرکاری دفاتر بند ہو جاتے ہیں۔ اسکول کے کمرے، کالجز کے ہال، عدالت عالیہ کے ایوان، وکلاء کے چیمبر، درسگاہیں بند، کیمپس خالی، اسٹاف اور کارکن عملہ تعطیل پر کیوں کہ تعطیل اور رخصت پذیر ہونے سے جسم وجثہ، دل ودماغ کو آرام ملتا ہے اور تازہ دم ہونے کے بعد کام بہتر طور پر انجام پاتا ہے۔ اس پر نہ کسی کو اعتراض ہے اور نہ ہی مجلس منتظمہ اور حکومت کا نقصان سمجھا جاتا ہے۔

شاہراہ عام پر تیز رفتار گاڑیوں کو کنٹرول کرنے اور ممکنہ حادثے سے بچانے کی خاطر روڈ پر اسپیڈ بریکر بنائے جاتے ہیں۔ بریکر پر ڈرائیور رفتار دھیمی کرتا ہے اور گذر جاتا ہے، نہ اس سے اُسے الجھن ہے نہ کسی قسم کی پریشانی اور نہ وقت کا ضیاع سمجھا جاتا ہے بلکہ ٹریفک کے قانون کو باعث رحمت گردانا جاتا ہے اور واقعہ یہی ہے کہ اسی میں فلاح ہے۔ اب اسی دنیاوی قانون کے پس منظر میں روزہ کو دیکھئے کہ گیارہ ماہ تک جب چاہا، کھایا پیا، خالق فطرت نے ایک مہینے کیلئے کھانے پینے کے اوقات میں تحدید کر دی ہے اور طلوع سے غروب تک کھانے پینے پر صحبت کرنے پر پابندی عائد کر دی، اس میں ہمارا روحانی فائدہ بھی ہے اور جسمانی فائدہ بھی، کام کرتے کرتے رک جانے، چلتے چلتے ٹھہرنے کے قاعدے کے عین مطابق بھی۔ اللہ رب العزت قدر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

❍❖❍

مدارس میں زکوۃ کی فراہمی اور طریقہ استعمال

از: مفتی اشتیاق احمد قاسمی مدرس دارالعلوم دیوبند

جب اسلامی حکومت تھی تو مدارس، مکاتب، مساجد اور خانقاہوں کے جملہ اخراجات کی کفالت حکومت کرتی تھی، ہندوستان میں مغلیہ حکومت کے زوال کے بعد دین اور علمِ دین کی حفاظت کیلئے حضرت نانوتوی اوران کے رفقاء نے آزاد مدارس کی بنیاد ڈالی اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب دیوبندی نے کس مپرسی کے عالم میں اپنے رومال میں تین روپے ڈال کرعوام کے چندے سے مدرسہ چلانے کی طرح ڈال دی؛ لیکن بات آگے بڑھی تو اس میں بےاعتدالی آ گئی، اب دین کی حفاظت کیلئے کم لوگ ہی مدارس کھولتے ہیں، اکثر اپنی اقتصادی ضرورتوں کی تکمیل کیلئے مدارس کھولنے لگے ہیں، مدات میں لاپروائی سے ایسا ہی محسوس ہوتا ہے؛ جب قبلہ ہی بدل گیا تو نماز کیسے صحیح ہوگی؟ عملاً ایسا سمجھا جانے لگا کہ دینی علم حاصل کرنے کیلئے زکوۃ سے استفادہ ضروری ہے، بہت سے اہلِ ثروت اسی تصور سے اپنی اولاد کو علمِ دین نہیں پڑھاتے، دوسری طرف اس طرح بےاعتدالی ہورہی ہے کہ غیر مستحق طلبہ بھی امداد پر پلنے لگے، ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر زکوۃ کی وصولی کے لیے مدارس کے کسی وصف کو متعین کیسے کیا جاسکتا ہے؟ بس اتنا کہنا ہی بہتر سمجھ میں آتا ہے کہ اگر فقیر ونادار طلبہ تک زکوۃ پہنچ سکتی ہو تو وہاں زکوۃ دینا جائز ہے اور اہلِ مدارس اگر مستحق تک زکوۃ پہنچا سکتے ہوں تو لیں ورنہ احتراز کریں، دین وملت کی خدمت کے بہانے اپنے اعمال کو خراب نہ کریں۔

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ۔ (توبہ:۶۰)

صدقات (زکوۃ) تو صرف غریبوں اور محتاجوں کیلئے ہیں اور زکوۃ کے کام پر جانے والوں کے لیے اور جن کی دل جوئی کرنا منظور ہے، اور غلاموں کی گردن چھڑانے میں (زکوۃ صرف کی جائے) اور قرض داروں کے قرض ادا کرنے میں اور اللہ کے راستے (جہاد) میں اور مسافر (کی امداد) میں۔

مدارس کے طلبہ اگر غریب اور محتاج ہیں تب تو ان پر زکوۃ صرف کرنے میں مضائقہ نہیں، اور اگر طلبہ کو

''فی سبیل اللہ'' میں داخل مانا جائے تب بھی فقر وحاجت مندی کی شرط ملحوظ رہے گی، مال دار اور صاحبِ نصاب طلبہ پر زکوٰۃ کا مال صرف کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ (معارف القرآن ۴/ ۴۰۶،۴۰۷)

دینی کاموں میں مصروف علماء اور طلبہ

مدارس کے طلبہ اور علماء جو دینی خدمات میں مصروف ہیں، چاہے وہ درس وتدریس میں ہوں؛ یا تصنیف و تالیف میں یا دعوت وتبلیغ میں؛ وہ اگر فقر وفاقہ سے دوچار ہیں (صاحبِ نصاب نہیں ہیں) تو اُن کو تعاون کے طور پر زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، ان کو کسی خدمت کے معاوضے یا تنخواہ کے طور پر زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔

''فی سبیل اللہ'' میں مال دار، صاحبِ نصاب طلبہ اور علماء شامل نہیں ہیں، بعض فقہی عبارتوں سے لوگوں کو شبہ ہوتا ہے؛ اس لیے ان کو جاننا چاہیے کہ فقہائے کرام نے فقر ومحتاجگی کی قید لگائی ہے۔ (معارف القرآن (۴/ ۴۰۷) میں حضرت مفتی محمد شفیع دیوبندیؒ نے اس کی صراحت نقل کی ہے، علامہ شامیؒ نے بھی فقر کی قید کو اَوْجَہْ (زیادہ مدلل) بتایا ہے۔

أمّا قولُه تعالیٰ: ''وفي سبيلِ اللّٰه'' عبارةٌ عن جميعِ القُرَبِ فَيَدْخُلُ فيه كلُ مَنْ سَعیٰ في طاعةِ الله تعالیٰ، وسبيلِ الخيراتِ اذا كان محتاجًا۔ (بدائع ۲/ ۱۵۲)

قلت: وهو كذلک، والأوْجَهُ تقييدُه بالفقير الخ (ردالمحتار ۳/ ۲۸۶ زکریا)

ترجمہ: بہرحال اللہ تعالیٰ کا قول: ''وفی سبیل اللہ'' یہ سارے نیک کام کی تعبیر ہے؛ اس لیے اس میں ہر وہ شخص داخل ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اچھے کاموں میں کوشاں ہو؛ جب کہ وہ محتاج ہو۔

میں (علامہ شامی) کہتا ہوں: وہ اسی طرح ہے اور فقیر ہونے کی قید زیادہ مدلل ہے۔

زکوٰۃ میں تملیک

زکوٰۃ کے جو بھی مصارف قرآنِ پاک میں بیان کیے گئے ہیں، ان میں مستحق کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا شرط ہے، مالک بنائے بغیر زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، اس پر ائمہ اربعہ اور جمہور فقہائے امت متفق ہیں۔ اسی وجہ سے تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں ہے خواہ وہ مسجد کی تعمیر ہو یا مدرسہ کی، یا کسی اور رفاہی ادارہ کی۔

قرآن مجید کی آیت: **انَّما الصَّدَقَاتُ للفقراء الخ** میں .....

قرآن نے چار مصارف کو ''لام'' اور چار کو ''فی'' کے ذریعہ بیان کیا ہے، لام تملیک لیے ہے اور ''فی''

ظرفیت کے لیے استعمال کیا ہے، ظرفیت سے زیادہ استحقاق کی طرف اشارہ ہے، اِن میں بھی تملیک کی صراحت مفسرین نے فرمائی ہے۔ (تفصیل معارف القرآن میں دیکھیں ۴/۴۰۴)

غرض یہ کہ اگر زکوٰۃ مدارس کے مستحق طلبہ کو دی جارہی ہے تو ان کو بھی مالک بنانا ضروری ہے۔

وَيُشْتَرَطُ أنْ يَكُوْنَ الصَّرْفُ تَمْلِيْكاً لَا اِبَاحَةً (درمختار) **فَلَا يَكْفِيْ فِيْها الْاِطْعَامُ الاّ بِطَرِيْقِ التَّمْلِيْكِ۔** (ردالمحتار ۳/۲۹۱ زکریا دیوبند)

ترجمہ: اور زکوٰۃ میں مالک بنانے کی شرط لگائی جاتی ہے، اباحت (استفادہ کی اجازت دینا) کافی نہیں ہے؛ لہٰذا ادائے زکوٰۃ میں کھلا دینا کافی نہیں ہے؛ البتہ بطور تملیک کھلانے سے (زکوٰۃ ادا ہوجائے گی)

تملیک کے قائم مقام صورتیں

اگر کوئی صاحبِ نصاب آدمی مستحق کی پرورش کررہا ہے اور مستحق پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا چاہتا ہے تو اس کی چند صورتیں ہوسکتی ہیں:

(الف) اس کی واضح صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم اس کے حوالے کردے کہ وہ اپنی مرضی سے اپنے مصرف میں خرچ کرے، اس صورت میں تو کوئی شبہ نہیں ہے کہ تملیک ہوگئی اور زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

(ب) دوسری صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ کی رقم سے کوئی چیز خرید کر لائے اور مستحق کے حوالے کردے، مثلاً: کپڑا، دوا وغیرہ اس میں بھی تملیک پائی جاتی ہے؛ اس لیے جائز ہے۔

(ج) تیسری صورت یہ ہے کہ مستحق کو کھانا دے، اس کی دو شکلیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ کھانا اپنے ہاتھ سے دے دے، اس صورت میں بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی کہ دینا پالیا گیا۔

دوسری شکل یہ ہے کہ مستحق کو کھانا ساتھ میں کھلائے، اس آخری شکل میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

اذَا كَانَ يَعُوْلُ يَتِيْمًا وَيَجْعَلُ مَا يَكْسُوْهُ وَيُطْعِمُه مِنْ زكوٰةِ ماله فَفي الكسوة لاشكَّ في الجوازِ لِوُجودِ الرُّكْنِ وَهُوَ التَّمليكُ، وأمّا الطعامُ فَمَا يَدفعه اليه بِيَدِه يَجوزُ أيضاً لِما قُلنا بخلافِ مَا يأكُله بِلا دفعٍ اليه۔ (ردالمحتار ۳)

ترجمہ: جب کسی یتیم کی پرورش کررہا ہو اور اس کو اپنی زکوٰۃ کے مال سے کپڑے اور کھانے دے رہا ہو تو کپڑے کے جواز میں تو شبہ نہیں؛ رکن (تملیک) کے پائے جانے کی وجہ سے، رہا کھانا تو جو کھانا اپنے ہاتھ

سے اُسے دے دیتا ہے تو (زکوٰۃ کی ادائیگی میں) یہ (صورت) بھی جائز ہے، اس دلیل کی وجہ سے جو ہم نے بیان کر دی ہے، بخلاف اس کھانے کے جو بلا دیے وہ (ساتھ میں) کھاتا ہے (اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی)

مدارس کے مہتمم کی شرعی حیثیت

مدارس کے مہتمم ایک طرف تو چندہ دہندہ کے وکیل ہوتے ہیں، اس طرح کہ چندہ دینے والے اگر مصرف متعین کر کے دیں تو مہتمم صاحب اسی مصرف میں خرچ کرنے کے پابند ہیں، مثال کے طور پر چندہ (غیر زکوٰۃ) دینے والے نے مدرسہ کی عمارت میں خرچ کرنے کی قید لگائی تو مہتمم صاحب اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے مصرف میں خرچ نہیں کر سکتے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۱۲۵ تلخیص)

حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ ''ظاہراً مہتمم وکیل مُعطی کا ہے'' (امداد الفتاویٰ ۳/ ۶۱۳)

مدارس کے مہتمم دوسری طرف طلبہ کے قیّم اور نائب ہوتے ہیں؛ اس لیے ان کا قبضہ طلبہ کا قبضہ کہلائے گا، چندہ دیتے ہی چندہ دہندگان کی ملکیت سے چندہ خارج ہو جاتا ہے، اور اس پر طلبہ کی ملکیت ہو جاتی ہے، مدارس بیت المال کی طرح ہیں اور مہتمم صاحب نگراں کی طرح؛ اس میں طلبہ کا معلوم و متعین ہونا بھی ضروری نہیں ہے جس طرح بیت المال کے مستحقین معلوم و متعین نہیں ہوتے۔ (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۱۲۵ تلخیص)

مستحق طلبہ پر صدقاتِ واجبہ کے خرچ کی صورتیں

مدارس میں آئی ہوئی زکوٰۃ کی رقم کا مستحق تک پہنچنا مہتمم صاحب کے لیے لازم و ضروری ہے، اس کے بغیر مہتمم صاحب اپنی ذمہ داری سے سبک دوش نہیں ہوں گے، اس کی درج ذیل صورتیں ہیں:

۱- اگر نقد وظیفہ کے طور پر زکوٰۃ کی رقم مستحق طلبہ کے حوالے کرتے ہیں تو اس میں تو کوئی اشکال نہیں۔

۲- اور کھانا اگر فرداً فرداً تقسیم کر کے دیا جاتا ہے تو یہ بھی تملیک ہے، ان دونوں صورتوں کی دلیل اوپر گزر چکی۔

۳- مہتمم صاحب کو طلبہ کا وکیل ماننے کی صورت میں تملیک طعام ضروری نہیں، اباحت یعنی طلبہ کو بٹھا کر کھلانا بھی جائز ہے۔ (فتاویٰ دارالعلوم ۴/ ۱۲۷ حضرت مفتی سعید احمد پالن پوری)

۴- طلبہ کو لباس اور علاج کے لیے زکوٰۃ کی رقم دینے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے، اس میں بھی پہلی صورت کی طرح تملیک واضح ہے۔

۵-دواخانہ میں شریک مستحق طلبہ کے علاج کا بل ادا کرنے سے بھی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔

۶-کوئی چیز خرید کر طلبہ کو دے دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی۔

۷-پانی اور بجلی بھی چوں کہ طلبہ پر خرچ ہونے والی چیزیں ہیں؛ اس لیے ان کا بل ادا کرنے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائے گی؛ البتہ ان میں مستحق اور غیر مستحق کے تناسب کا لحاظ ضروری ہے، غیر مستحق کو حساب میں مستثنیٰ کرنا ضروری ہوگا، جس طرح مطبخ میں پکائے جانے والے کھانے میں حساب کیا جاتا ہے۔

۸-اگر مدرسہ کرایہ کی عمارت میں چل رہا ہے تو زکوۃ کی رقم سے کرایہ ادا کرنے سے بھی زکوۃ ادا ہو جائیگی؛ اس لیے کہ مہتمم کو طلبہ کا وکیل مانا گیا ہے اور مکان میں رہائش طلبہ نے اختیار کی ہے اور کرایہ بدلِ رہائش ہے۔

۹-بعض وہ چیزیں جن سے طلبہ بالواسطہ فائدہ اٹھاتے ہیں یا وہ ان چیزوں سے سارا فائدہ نہیں اٹھا لیتے، جیسے: درس گاہ کی تپائیاں، مدرسہ کی عمارت اور مستعار دی گئی کتابیں وغیرہ؛ ان میں براہِ راست زکوۃ اور صدقاتِ واجبہ کی رقم خرچ نہیں کی جاسکتی، ان کے لیے تملیک ضروری ہے۔ اسی طرح مدارس کے دیگر مصارف، مثلاً: تنخواہ، مہمان نوازی، اجرائے رسائل، دار الاقامہ اور دعوت وتبلیغ کے جملہ اخراجات میں مہتمم صاحب براہِ راست زکوۃ کی رقم خرچ نہیں کر سکتے، ان میں بھی تملیک ضروری ہے۔

حیلہ تملیک

کسی مستحقِ زکوۃ سے پہلے مدرسہ کی ضروریات بتادی جائیں، جس کو مدرسہ سے ہمدردی ہو اور اجر وثواب کے حصول کا مخلصانہ جذبہ بھی ہو، اور وہ اپنی ملکیت کی چیز کو مدرسہ کی ضروریات میں خرچ کرنے پر راضی ہو، اس کو زکوۃ کی رقم دی جائے کہ وہ اپنی مرضی سے مدرسہ کو دے دے اور مفت میں صدقہ کا ثواب حاصل کر لے، اس کے اوپر کوئی دباؤ نہ ہو، اگر خدانخواستہ وہ لے کر اپنی ضرورت میں صرف کر لے اور مدرسہ کو نہ دے تو مدرسہ والے اس کے خلاف کسی دباؤ کا ارادہ نہ رکھتے ہوں تو حیلۂ تملیک کی گنجائش ہے، حضرت بریرہ والی حدیث: لَکِ صَدَقَةٌ وَلَنَا هَدِيَّةٌ (بخاری ۱/۲۰۲، مسلم ۱/۵۴۳) اس کی اصل ہے۔

وَالْحِيَلُ لَه أن يَتَصَدَّقَ بِمِقْدَارِ زكاتِه عَلىٰ فَقِيرٍ ثُمَّ يأمره بعدَ ذلك بالصرف الىٰ هٰذه الوُجوهِ، فيكونُ لِلْمُتَصَدِّقِ ثوابُ الصدَقَ ولذَلِكَ الْفقيرِ ثوابُ بناءِ المسجدِ والقنطرةِ۔ (ہندی: ۶/۳۹۲، رد المحتار ۳/۱۹۱ از کریا دیوبند)

اوراس کا حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار کسی فقیر پر صرف کرے، پھر اسے اِن وجوہ پر خرچ کرنے کو کہے، اس طرح صدقہ کرنے والے کو صدقہ کا ثواب اور اس فقیر کو تعمیرِ مسجد اور تعمیرِ پُل کا ثواب حاصل ہو جائے گا۔

مدارس کا حال

حیلہ تملیک کے بعد بھی وہ رقم مدرسہ میں ہی خرچ ہوگی، ذمہ دارانِ مدرسہ اپنی ضرورتوں میں خرچ کرنے کے مجاز نہیں ہوں گے، اکثر مدارس کا حال ناگفتہ بہ ہے، ذمہ دارانِ مدرسہ اپنی تنخواہ متعین نہیں کرتے، وہ کفاف کے نام پر اپنی ذات اور اپنے اہل وعیال پر بے تحاشا خرچ کرتے ہیں، ان کو اللہ ربُّ العالمین، مالکِ یوم الدین سے خوف کھانا چاہیے، وہاں کوئی حیلہ کام نہ آئے گا۔ انھیں خیر القرون کے محتاط بزرگوں اور امیروں کو نمونہ بنانا چاہیے!

داخلہ فارم میں توکیل نامہ

چند سال پہلے دارالعلوم دیوبند میں داخلہ فارم میں ایک ''توکیل نامہ'' شامل کیا گیا، دوسرے مدارس نے بھی تقلید کی، اس کی عبارت یہ تھی:

''میں حضرت مہتمم صاحب یا ان کے قائم مقام کو اپنی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے کا بھی وکیل بناتا ہوں، اور اپنی ضروریات میں خرچ کرنے کا بھی وکیل بناتا ہوں'' (فتاویٰ دارالعلوم دیوبند ۱۴/ ۶۲۱)

اس میں طلبہ کی ''ضروریات'' کی قید ہے؛ اس لیے مہتمم صاحب اپنے اور اپنے اہل وعیال کے تعیّشات میں خرچ کرنے کے مجاز نہیں ہو سکتے۔

طلبہ کی ضروریات کا مطلب بھی محدود ہے، جن چیزوں سے طلبہ براہِ راست فائدہ اٹھاتے ہیں وہی مراد ہوں گی، بقیہ چیزوں کے لیے پھر بھی تملیک کی ضرورت باقی رہے گی۔

اگر ''توکیل نامہ'' ایسا تیار ہو، جس میں طلبہ اور مدرسہ کی جملہ ضروریات کی جزوی صراحت ہو تو بات بے غبار ہو سکتی ہے۔

بعض مدارس میں تملیک کی عمدہ صورت

بعض مدارس میں زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ میں تملیک کی یہ صورت رائج ہے کہ مدرسہ کے جملہ

اخراجات کا ماہانہ حساب کیا جاتا ہے، اس میں مطبخ، تعلیم، تنخواہِ مدرسین و ملازمین، بجلی، پانی، وغیرہ مصارف شامل ہوتے ہیں، جملہ اخراجات کو طلبہ کی تعداد پر تقسیم کرکے ہر ایک کے حصے میں آنے والی رقم بہ طورِ فیس مقرر کردی جاتی ہے، اور مدِ زکوٰۃ سے ہر مہینہ فیس کے بہ قدر رقم طلبہ کو وظیفہ میں دی جاتی ہے، پھر طلبہ سے مذکورہ فیس میں وصول کرلی جاتی ہے۔

یہ صورت بہت عمدہ اور بے غبار ہے، چھوٹے مدارس میں تو عمل کرنا مشکل نہیں، بڑے مدارس میں بھی ایسا کیا جانا ممکن ہے؛ جس طرح ماہانہ وظیفہ بانٹنے کا نظم ہوتا ہے، اسی طرح زکوٰۃ بھی دی جاسکتی ہے، اور طلبہ کیلئے بھاگنے کا اندیشہ تو ہے؛ مگر اس کی بھی پیش بندی کی کوئی صورت اپنائی جاسکتی ہے۔ فتاویٰ رحیمیہ (۱۵۰/۵) وغیرہ میں یہ صورت لکھی ہے، بڑے مدارس میں ضابطہ بنانا اور اس پر عمل کرنا زیادہ مشکل نہیں ہے۔

اگر کوئی مستحقِ زکوٰۃ قرض لے کر مدرسہ کی ضرورت میں صرف کردے تو زکوٰۃ سے اس کے قرض کی ادائیگی۔

بعض مدارس میں ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی مستحقِ زکوٰۃ سے کہا جاتا ہے کہ تم اپنے طور پر فلاں شخص سے قرض لیکر مدرسہ میں دے دو، یا مدرسہ کی فلاں ضرورت میں خرچ کردو، پھر مدرسہ والے زکوٰۃ کی رقم میں سے اس کو دیتے ہیں؛ تاکہ وہ اپنا قرض ادا کرلے، یہ صورت بھی جائز ہے؛ اس لیے کہ زکوٰۃ مستحق تک پہنچ گئی۔

کسی مال دار سے مدرسہ کی عمارت بنوا کر، زکوٰۃ سے ادائیگی

اگر کسی مدرسہ میں عمارت کی ضرورت ہو اور مدرسہ کا ذمہ دار کسی مال دار صاحبِ نصاب کو مدرسہ کی عمارت بنانے کیلئے کہے یا کسی کمیٹی سے مدرسہ کی تعمیر کرائے اور تعمیر کے بعد ادائیگی زکوٰۃ کی رقم سے کرے تو یہ درست نہیں؛ اس لیے کہ مال دار شخص یا کمیٹی مستحقِ زکوٰۃ نہیں ہیں اور غیر مستحق کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی ہے۔

مدارس کے علاوہ دیگر دینی یا ملی اداروں کیلئے زکوٰۃ کی وصولی

ہر دینی و ملی کام کے لیے زکوٰۃ ہی استعمال ہو، بنیادی طور پر یہ تصور غلط ہے، مسلم قوم امداد اور عطیات بھی دیتی ہے؛ اس لیے ملی خدمات کے لیے امداد کی رقم ہی جمع کرنی چاہیے، اگر زکوٰۃ کی رقم جمع کی جائے تو بڑی احتیاط سے مستحقین تک پہنچانا لازم ہوگا۔ غیر مصرف میں خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر کوئی ادارہ غیر مصرف میں خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کے ذمہ داروں کو جواب دینا پڑے گا، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائیں! (بشکریہ ویب سائٹ دارالعلوم) ○❖○

کھجور افطار کیلئے بہترین نعمت ہے!

شوکت رحمان

کھجور انتہائی قدیم پھل ہے۔ مورخین نے 8000 سال قبل مسیح میں عراق کی سرزمین پر اس کی موجودگی کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ گرم ممالک کا پھل ہے، اس کے وطن خلیج فارس کے نواحی علاقے ایران، عراق، افریقہ اور عرب تصور کئے جاتے ہیں، ان کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک کے علاقوں کی کھجوریں اپنی لذت اور شرینی کے لحاظ سے مشہور ہیں۔ کھجور کی لاتعداد اقسام ہیں مگر اس کی ایک قسم ایسی بھی ہے جس سے شکر کے ساتھ ایک کیمیائی جوہر (Invertas) پایا جاتا ہے جو شکر کو ایسی مٹھاس میں تبدیل کر دیتا ہے جسے جسم بآسانی قبول کر لیتا ہے اور ذیابیطس کے مریضوں کو اس سے نقصان نہیں پہنچتا اسے Fructos کہتے ہیں۔ مدینہ منورہ کی مشہور عجوہ اور برنی کھجوروں میں یہ جوہر پایا جاتا ہے۔ کھجور کی ایک قسم گٹھلی کے بغیر بھی ہے۔

بلاشبہ کھجور توانائی کا خزانہ ہے کیونکہ اس میں بڑی مقدار میں قوت بخش اجزاء پائے جاتے ہیں مثلاً وٹامن اے، بی ون، بی ٹو، بی سی، کے علاوہ کیلشیم، میگنیشم، پوٹاشیم، سوڈیم، تانبا، لوہا، فاسفورس، سلفر اور لحمیات وغیرہ، کھجور کی کثیر النافع خصوصیات کی بنا پر نبی کریم ﷺ اس سے روزہ افطار کرنا پسند کرتے تھے۔ روزے کے دوران چونکہ دن بھر کچھ نہ کھانے کی وجہ سے جسم کی کیلوریز یا حرارے مسلسل کم ہوتے رہتے ہیں اس لئے افطار کیلئے ایسی خوراک ضروری ہے جو زود ہضم اور مقوی ہو اور کھجور اس مقصد کیلئے بہترین نعمت ہے، اس کے استعمال سے جسم کو فوری توانائی حاصل ہوتی ہے اور طبعی حرارت اعتدال پر آ جاتی ہے، جس سے بدن گوناگوں امراض سے بچ جاتا ہے۔ مثلاً کم بلڈ پریشر، فالج، لقوہ اور سر چکرانا وغیرہ۔ غذائیت کی کمی کی وجہ سے قلت خون کے مریضوں کو افطار کے وقت فولاد کی اشد ضرورت ہوتی ہے اور وہ کھجور میں قدرتی طور پر موجود ہے۔

گرمی کے دوران اگر ٹھنڈا پانی بھی لیا جائے تو معدے میں گیس، تبخیر اور ورم جگر کا خطرہ ہوتا ہے کھجور کے بعد پانی پینے سے یہ خطرہ دور ہو جاتا ہے۔ کھجور جگر کیلئے تقویت بخش ہونے کی وجہ سے یرقان کے مرض میں بہترین دوا ہے اور ہاضمے کی خرابی، تبخیر معدہ کی شکایات میں بھی مفید ہے۔ نیز اس میں خاصی مقدار میں ریشہ پایا جاتا ہے جو آنتوں میں رکے ہوئے فضلات کو بدن سے خارج کر دیتا ہے۔ تپ دق کے مریض اگر اس کا

استعمال کریں تو یہ سینے اور پھیپھڑوں سے بلغم نکالنے کے ساتھ مریض کو بھرپور قوت بھی فراہم کرتی ہے، اس کے علاوہ کھجور میں ایسے اجزاء بھی پائے جاتے ہیں جو گردے مثانے اور پتہ میں پتھری بننے کے عمل کو روکتے ہیں۔

کھجور کو رات بھر پانی میں بھگو کر صبح مسل کر اس کا پانی پینا صحت کیلئے مفید ہے۔ اس سے جہاں پیاس کو تسکین ملتی ہے وہاں اسہال، صفراء اور تیز ابیت بھی دور ہو جاتی ہے اور جسم کی غلیظ رطوبتیں خشک ہو جاتی ہیں۔ معدے کے تقویت ملتی ہے منہ کے زخم گردوں اور مسوڑھوں کی سوزش، پتھری اور پرانے سوزاک میں بھی اس کے استعمال سے فائدہ ہوتا ہے۔ کھجور قوت ہضم کے مطابق کھائی جائے آنکھیں دکھنے کی حالت میں استعمال نہ کی جائیں۔ کمزور معدے کے حامل افراد کم مقدار میں استعمال کریں۔ نیز کھجور کے درخت کی ہر شے مفید استعمال کریں۔ نیز کھجور کے درخت کی ہر شے مفید ہے جیسے کھجور کے پھول کو اگر پانی میں گھوٹ کر پیا جائے تو معدے کو طاقت حاصل ہوتی ہے کھجور کے پتوں کی راکھ کو بہترین منجن تسلیم کیا گیا ہے جو دانتوں کے درد میں بھی مفید ہے، اگر اسے پانی میں ابال کر کلیاں کی جائیں تو آرام آجاتا ہے۔ کھجور کا گودا، آنتوں، گردوں اور پیشاب کی نالی کی سوزش میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ نیز بیرونی چوٹوں اور منہ کی بدبو میں بھی نافع ہے۔

کھجور کی گٹھلی آنتوں کو طاقت دیتی ہے اور معدے کی گرمی دور کرتی ہے۔ دل کے دورے میں کھجور کو گٹھلی سمیت کوٹ کر استعمال کرنا جان بچانے کا باعث بن جاتا ہے کیونکہ یہ دل کی شریانوں میں رکاوٹ کے باعث پیدا ہونے والی تمام بیماریوں اور خاص طور پر شریانوں کی تنگی کا تریاق کا اثر رکھتی ہے کھجور اور اس کی گٹھلی کا مسلسل استعمال دل کے بڑھ جانے میں بھی مفید ہے۔ زخموں پر لگانے زخم مندمل ہو جاتے ہیں اور دانتوں کا درد بھی دور ہو جاتا ہے۔ کھجور کے درخت کی شاخوں پر جس جگہ پھول لگتے ہیں وہاں کونپلوں سے پہلے ایک گاڑھا لیس دار شیریں اور خوشبودار مادہ جمع ہوتا ہے جسے گابھا کہا جاتا ہے۔ اس کا ذائقہ دودھ اور بادام جیسا ہوتا ہے یہ آنتوں کو مضبوط کرتا ہے اور دستوں کو روکتا ہے۔ سینے کے درد کو دور کرتا ہے۔ آواز میں نکھار پیدا کرتا ہے اگر تھوک میں خون آتا ہو تو وہ بھی بند ہو جاتا ہے۔ کھانسی دور کرتا ہے قے کو روکتا ہے، چکروں میں بھی فائدہ مند ہے۔ منشیات کے استعمال سے پیدا ہونے والا خمار اسے پینے سے دور ہو جاتا ہے۔ بھڑ کے کاٹے اس کے لیپ سے ورم نہیں ہوتا ہے۔ حساسیت یعنی الرجی میں بھی اس کا استعمال مفید ہے۔

کھجور کا استعمال۔ سب سے پہلے ٹھنڈے دودھ میں کھجوریں ڈال کر رکھ دیں اس میں چینی ملانے کی

ضرورت نہیں ہے۔رات کے وقت کھجوریں پھول کر نرم ہو جائیں گی جس سے بہت لذیذ دودھ تیار ہو جائیگا اوراس کے پینے سے طبیعت کو بہت فرحت حاصل ہوگی۔اس کے علاوہ دن میں پانی میں کھجوریں بھگو کر رکھ دیں اور جب جائیں انہیں مسل کر استعمال کرلیں یہ نہ صرف بہترین شربت ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کا پسندیدہ مشروب بھی تھا۔یہ مشروب قوت فراہم کرنے کے ساتھ ساتھ پیاس کو بھی تسکین دیتا ہے۔کھجوروں کو دودھ میں ابال کر گھی میں بھون لینے سے بہترین حلوہ تیار ہو جاتا ہے۔دبلے پتلے کیلئے رمضان میں کھجور کا تسلسل سے استعمال قوت اور وزن بڑھانے کا بہترین نسخہ بھی ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے نکاح کے وقت میں بہت دبلی تھی میری والدہ نے مجھے موٹا کرنے کی بہت تدبیریں کیں مگر سب بے سود رہیں۔آخر انہوں نے مجھے ککڑی کے ساتھ کھجوریں کھلائیں جس سے میرا وزن بڑھ گیا۔

❍❖❍

<u>بقیہ امّی! میں بھی روزہ رکھوں گا</u>

چھوٹے چھوٹے ہی تھے، پھر بھی اُن کی امّی اُن سے روزہ رکھواتی تھیں اور جب وہ لوگ بھوک اور پیاس کی شدّت سے بلبلانے لگتے تھے تو اُن کو روئی کے کھلونوں سے بہلایا کرتی تھیں۔اِس سے تو یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اُن ننھے صحابہ کرام ؓ کی عمر سات سال سے کم ہی تھی تب ہی تو وہ لوگ کھلونوں سے بہل جایا کرتے تھے اور میں تو ماشاء اللہ کچھ شعور رکھتا ہوں، اگر آپ مجھے کھلونوں سے بہلانا چاہیں گی تو میں نہیں بہل سکتا۔پھر یہ کہ اگر ابھی سے روزہ رکھوں گا تو بچپن سے ہی روزہ رکھنے کی ٹریننگ حاصل ہو جائے گی اور جب میں بڑا ہوا کر روزہ رکھوں گا تو روزہ مجھ پر مشکل معلوم نہیں ہوگا اور آپ کو ثواب بھی ملے گا۔آپ کو ثواب اس لیے ملے گا کہ آپ میری ہمت افزائی کریں گی اور میرے روزے کی تیاری میں اپنا وقت لگائیں گی۔کیوں امّی! آپ نہیں چاہیں گی کہ روزے میں رکھوں اور ثواب آپ کو ملے؟'' خطّاب نے اپنی امّی کو سمجھاتے ہوئے کہا۔خطّاب کی گفتگو اُس کی ماں کے دل کی گہرائی کو چھو گئی اور اُس کی امّی نے یہ کہتے ہوئے خطّاب کو گلے لگالیا کہ'' بیٹے آج سے میں تم کو سحری کھانے کیلئے جگا دیا کروں گی، میں تم سے روزہ رکھنے پر اتفاق کرتی ہوں اور اللہ سے دعا کرتی ہوں کہ اللہ تم کو وہ قوتِ برداشت عطا کرے کہ تم رمضان کریم کے روزے رکھ سکو۔اللہ ہمارا اور تمہارا حامی وناصر ہو، آمین!

عزیز بچو! آپ بھی خطّاب کی طرح ننھے صحابۂ کرام ؓ کے بچپن کو اپنا آئیڈیل بنایئے اور رمضانِ کریم کے روزے رکھنے کا اہتمام کیجیے۔اللہ تعالیٰ رمضان کریم کی تمام تر سعادتوں سے ہم سب کو نوازے، آمین!

امّی! میں بھی روزہ رکھوں گا

انظار احمد صادق، الحراء پبلک اسکول، شریف کالونی پٹنہ

آج اسکول سے خطّاب جب اپنے گھر پہنچا تو خلافِ معمول کچھ زیادہ ہی خوش تھا۔ خوشی کے مارے زوردار انداز میں اپنی امّی کو سلام کیا۔ اُس کی امّی نے بھی بڑے پُرتپاک لب ولہجے میں اُس کے سلام کا جواب دیا اور بولی: ''بیٹے! کیا بات ہے آج تم ماشاء اللہ بہت خوش نظر آ رہے ہو؟ آج اسکول سے تمہیں کوئی خاص انعام ملا ہے کیا؟'' خطّاب نے کہا: ''ہاں امّی! انعام تو نہیں، مگر ایک بہت بڑا پیغام ملا ہے۔ مگر ابھی نہیں بتاؤنگا، میری ظہر کی نماز باقی ہے، پڑھ لیتا ہوں تو اطمینان سے بتاتا ہوں۔'' ماں نے پیار سے بیٹے کی پیشانی چوم لی اور کہا: ''ٹھیک ہے میرے لعل! پہلے نماز پڑھ لو پھر بتانا، جب تک میں تمہارے کھانے کا انتظام کرتی ہوں۔'' وہ اُمورِ خانہ داری میں مشغول ہو گئیں اور خطّاب مسواک، وضوء وغیرہ کر کے ظہر کی نماز میں مصروف ہو گیا۔ خطّاب جیسے ہی نماز سے فارغ ہوا اُس نے آواز دی: ''امّی! آپ کہاں ہیں؟ آیئے آپ کو وہ پیغام بتاؤں جو مجھے اسکول سے ملا ہے۔'' ''ہاں بیٹے! آ بھی آئی ذرا تمہارا کھانا ڈائننگ ٹیبل پر لگا دوں۔'' کھانا لگانے کے بعد وہ آواز دیتی ہیں: ''بیٹے! ڈائننگ روم میں ہی آ جاؤ اور وہ پیغام بتاؤ جو اسکول سے لے کر آئے ہو۔'' ''اچھا امّی! ابھی آیا۔'' ''دیکھیے امّی! کل سے آپ میرے لیے دوپہر کے کھانے کا انتظام نہیں کریں گی اور نہ ہی اسکول جاتے وقت کل سے لنچ وغیرہ دیجیے گا۔'' خطّاب نے کھانے کیلئے بیٹھتے ہوئے کہا۔ ''بیٹے! آخر کیوں؟'' اُس کی ماں نے خطّاب کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر شفقت آمیز لہجے میں پوچھا۔ خطّاب نے اپنی امّی سے کہا: امّی! آج ہمارے اسکول کی اسمبلی میں اسلامک کے استاذ حامد سر نے بتایا ہے کہ ''اللہ کے رسول ﷺ کے زمانے میں صحابیاتؓ خود روزہ رکھنے کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کو بھی بچپن سے ہی روزہ رکھنے کی ترغیب دیتی تھیں، استاذِ محترم نے یہ بھی بتایا کہ صحابیاتؓ جب مسجد جاتیں تو اپنے بچوں کو بھی ساتھ لے کر جاتیں اور ساتھ میں روئی کے کھلونے بھی بنا کر لے جاتی تھیں۔ جب اُن کے بچے دوپہر کے وقت بھوک اور پیاس کی شدّت سے بلبلا کر کھانا طلب کرتے تو اُن کی مائیں اُن کی طرف روئی کے بنے کھلونے بڑھا دیتی تھیں اور وہ اُن کھلونوں سے بہل جاتے تھے، یہاں تک کہ افطار کا وقت ہو جاتا، پھر صحابیاتؓ اپنے بچوں کو افطار کراتی تھیں۔''

امّی! میں بھی بچّہ ہوں۔ میں بھی اُن صحابیؓ بچوں کی طرح روزہ رکھنا چاہتا ہوں، اِس لیے امّی! کل سے میں بھی روزہ رکھوں گا۔'' ''نہیں بیٹے! ابھی تم بہت چھوٹے ہو، تمہاری عمر صرف سات سال کی ہے، ابھی تم پر روزہ فرض نہیں ہے۔'' ماں نے خطّاب کو پیار سے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ''امّی جان! آپ سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ صحابیاتؓ کے بچے بھی

بقیہ صفحہ 61 / پر ملاحظہ ہو!

شب وروز

جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ میں امتحان سالانہ اختتام پذیر، تعطیل کا اعلان

(مورخہ ۱۱رمئی ۲۰۱۷ء) ریاست بہار کا مشہور ومعروف ادارہ جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے ششماہی اور سالانہ امتحانات شروع ہی سے دارالعلوم دیوبند کے مؤقر اساتذہ کی سرپرستی ونگرانی میں منعقد ہوتے رہے ہیں، معمول کے مطابق امسال بھی دارالعلوم دیوبند کے مؤقر استاذ حدیث اور جمعیۃ علماء ہند کے صدر محترم، امیر الہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصور پوری دامت برکاتہم کی سرپرستی ونگرانی میں امتحان سالانہ کا آغاز ہوا، موصوف نے درجات عربی کی کئی کتابوں کا امتحان بھی لیا، اور چونکہ جامعہ مدنیہ اکثر اساتذہ موصوف ہی کے شاگرد ہیں انہوں نے اساتذہ کو کئی ہدایات بھی دیں، انہوں نے اساتذہ اور انتظامیہ کے سامنے یہ بات رکھی کہ آئندہ سال سے عربی درجات میں سے جس کتاب کا بھی وہ امتحان لیں گے، اس کتاب کے پڑھانے والے استاذ بھی موجود رہیں گے ،تاکہ طلبہ کی خامیوں کا اندازہ اساتذہ خود سے ملاحظہ فرمائیں، مجموعی طور پر اساتذہ کی کارکردگی اور جامعہ کے تعلیمی نظام کی انہوں نے کھل کر تعریف کی، اور بہتر ومفید مشورے بھی دئے۔

مدرسہ اسلامیہ شکر پور، بھرواہ دربھنگہ سے استاذ فقہ جناب مفتی اقبال احمد صاحب، جامعہ حسینیہ لال دروازہ جونپور سے استاذ شعبہ تجوید وقرات جناب قاری نیاز احمد صاحب، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ سے استاذ شعبہ حفظ جناب قاری مجیب الرحمٰن صاحب، مدرسہ فیروزیہ اکبر پور، باڑھ سے جناب قاری شمس الدین صاحب، جہان آباد سے جناب مولانا محمد سالم صاحب بحیثیت ممتحن جامعہ تشریف لائے اور شعبہ دینیات، شعبہ حفظ اور شعبہ عربی کے تحریری اور تقریری امتحان لیکر خوشی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔ ناظم جامعہ جناب مولانا محمد ناظم صاحب اور جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب صدر المدرسین نے نگرانی فرمائی اور بحسن وخوبی امتحان سالانہ اختتام پذیر ہوا۔ بانی جامعہ اور روح رواں جناب مولانا محمد قاسم صاحب کے سامنے رزلٹ پیش کیا گیا، درجات عربی، دینیات، اور حفظ میں اول، دوم، سوم مقام حاصل کرنے والے خوش نصیب طلبہ کی حوصلہ افزائی کی گئی۔

واضح رہے کہ درجہ اعدادیہ میں اول مقام محمد عادل حسین نالندوی، دوم محمد سفیان سیتامڑھی، سوم ابوسفیان ارریاوی نے حاصل کیا، درجہ عربی اول میں پہلی پوزیشن ابوظفر سپولوی، دوم پوزیشن، محمد رہبر خان ویشالوی، سوم پوزیشن محمد ابوالحسن ارریاوی نے حاصل کیا، عربی دوم میں اول مقام محمد سلمان سیتامڑھی، دوسرا مقام محمد امجد ارریاوی، تیسرا مقام ابوبکر صدیق ارریاوی نے حاصل کیا، عربی سوم میں اول مقام ثناء اللہ پورنوی، دوسرا مقام: انوارالحق ارریاوی، تیسرا مقام محمد شہباز سمستی پوری نے حاصل کیا، عربی چہارم میں اول مقام: اعجاز الحق پٹنوی، دوسرا مقام عبد

الہادی دربھنگوی، تیسرا مقام احتشام الحق مظفرپوری نے حاصل کیا،عربی پنجم میں :اول مقام محمد ندیم اختر سیتامڑھی ، دوسرا مقام انعام الرحمٰن سہرسہاوی، تیسرا مقام محمد ساجد ارریاوی نے حاصل کیا، دینیات اول میں اول مقام محمد تبریز سپولوی،دوسرا مقام شاداب وصی ارریاوی، تیسرا مقام اعجاز عالم مدھوبنی ومحمد سالم بھاگلپوری نے حاصل کیا، دینیات دوم میں اول مقام محمد معصوم پورنوی، دوسرا مقام محمد اسعد علی بھاگلپوری، تیسرا مقام محمد معظم علی ارریاوی نے حاصل کیا،درجہ حفظ میں اول مقام راشدالحق ارریاوی،دوسرا مقام طاہر اختر کھگڑیاوی تیسرا مقام محمد راشد پورنوی اور ریحان سیتامڑھی نے حاصل کیا۔

اس موقع پر مدنی مسجد میں الوداعیہ تقریب کا بھی اہتمام کیا گیا،جس میں موصوف کے علاوہ ناظم جامعہ، جناب مولانا محمد ناظم صاحب قاسمی، جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب صدرالمدرسین، جامعہ کے دیگر اساتذہ شریک ہوئے۔حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نے ان طلبہ کی سخت تنبیہ فرمائی جو رزلٹ سنے بغیر گھر چلے گئے، کامیاب ہونے والے طبہ کی حوصل افزائی فرمائی ،آخری درجات کے طلبہ کو دعاؤں سے نوازا جو امسال دارالعلوم دیوبند کے داخلہ امتحان میں شریک ہونگے ،رمضان المبارک کی تعطیل میں گھر جانے والے تما طلبہ کو گھر جا کر اپنے رمضان المبارک کے معمولات کو بہتر طریقہ سے انجام دینے کی تلقین کی، جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کے ناظم جناب مولانا محمد ناظم نے تعطیل کا اعلان کرتے ہوئے جدید اور قدیم طلبہ کے داخلہ امتحان کی تاریخ بھی بتائی۔

انہوں نے کہا:۱۱ر شوال کو مدرسہ کھل جائے گا،۱۱،۱۲ر شوال کو قدیم طلبہ کا داخلہ ہوگا،۱۳ر شوال کو نئے طلبہ کا داخلہ ہوگا، جبکہ جدید طلبہ کا داخلہ فارم ۱۲ر شوال ہی کو بھرا جائے گا،انہوں نے قدیم طلبہ سے کہا: وہ وقت متعینہ ہی پر آئیں،اس کے بعد گنجائش ہوگی تبھی داخلہ ہو سکے گا،انہوں نے جدید اور قدیم طلبہ کیلئے آئندہ سال سے آدھار کارڈ کو بھی لازمی قرار دیتے ہوئے اپنے ساتھ آدھار کارڈ لانے کا اعلان بھی کیا، جب کہ نئے طلبہ کے اپنے ساتھ گارجین اور سرپرستوں کو لانا پہلے سے ہی لازم ہے،امسال مزید اس کی تاکید گئی۔جناب مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب نے دعاء فرمائی اور مجلس کا اختتام ہوا۔

حضرت مولانا ازہر صاحب کا انتقال، جامعہ میں دعائے مغفرت کا اہتمام

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کے خادم خاص،اور خلیفہ حضرت مولانا ازہر صاحب مہتمم مدرسہ حسینیہ کڈرو رانچی، جھارکھنڈ، کا انتقال ہوگیا،اناللہ واناالیہ راجعون ۔خبر ملتے ہی حضرت مولانا محمد قاسم صاحب دامت برکاتہم بانی جامعہ مدنیہ سبل پور پٹنہ کی ہدایت پر جامعہ مدنیہ دعائے مغفرت کا اہتمام کیا گیا،مرحوم جمعیۃ علماء جھارکھنڈ کے صدر کے ساتھ جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر بھی تھے اور دارالعلوم دیوبند کے شوریٰ کے رکن بھی۔اللہ ان کی مغفرت فرمائے۔اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔آمین

افطار میں جلدی کرو اور سحری میں تاخیر!

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں: کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سحری کھایا کرو اس لیے کہ سحری کھانے میں برکت ہے۔ (متفق علیہ) حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو مؤذن تھے، حضرت بلال اور حضرت ابن ام مکتومؓ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بلالؓ رات (صبح کاذب) کو اذان دیتے ہیں لہٰذا تم اس وقت تک کھاؤ پیو جب تک ابن ام مکتومؓ اذان نہ دیں۔ حضرت ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں ان دونوں اذانوں کے درمیان بس اتنا وقفہ ہوتا تھا کہ یہ (سیدنا بلال) اذان دے کر نیچے اترتے اور (حضرت ابن مکتوم) اذان دینے کیلئے چڑھتے تھے۔ (متفق علیہ)

حضرت عمرو بن عاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہمارے اور اہل کتاب کے روزوں کے درمیان فرق سحری کا کھانا ہے۔ (مسلم شریف)

حضرت سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لوگ ہمیشہ بھلائی میں رہیں گے جب تک وہ افطار میں جلدی کرتے رہیں گے۔ (متفق علیہ)

حضرت ابوعطیہ بیان کرتے ہیں کہ میں اور مسروق حضرت عائشہؓ کے پاس گئے تو مسروق نے ان سے کہا: محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب میں سے دو آدمی ہیں اور وہ دونوں خیر و بھلائی کے کاموں میں کوتاہی نہیں کرتے، ان میں سے ایک تو نماز مغرب پڑھنے اور روزہ افطار کرنے میں جلدی کرتا ہے اور دوسرا نماز مغرب پڑھنے اور روزہ افطار کرنے میں تاخیر کرتا ہے۔ حضرت عائشہ نے پوچھا: نماز مغرب پڑھنے اور روزہ افطار کرنے میں جلدی کون کرتا ہے؟ مسروق نے جواب دیا: حضرت عبداللہ یعنی ابن مسعودؓ۔ پس حضرت عائشہ نے فرمایا: اللہ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسے ہی کیا کرتے تھا۔ (مسلم شریف)

حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ عزوجل نے فرمایا: مجھے میرے بندوں میں سب سے زیادہ پسندیدہ وہ ہیں جوان میں سے افطار میں جلدی کرنے والے ہیں۔ (ترمذی)

حضرت عمر بن خطابؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب رات ادھر (مشرق) کی طرف سے۔ آجائے اور دن ادھر (مغرب) کی طرف چلا جائے اور سورج غروب ہو جائے تو یقیناً روزے دار نے روزہ افطار کر لیا۔ (متفق علیہ)

ان احادیث سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ افطاری میں جلدی اور سحری میں تاخیر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، اور اس پر عمل کرنا کار ثواب ہے۔